U1
M38I.

مرتبہ عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم

علم مجلسی

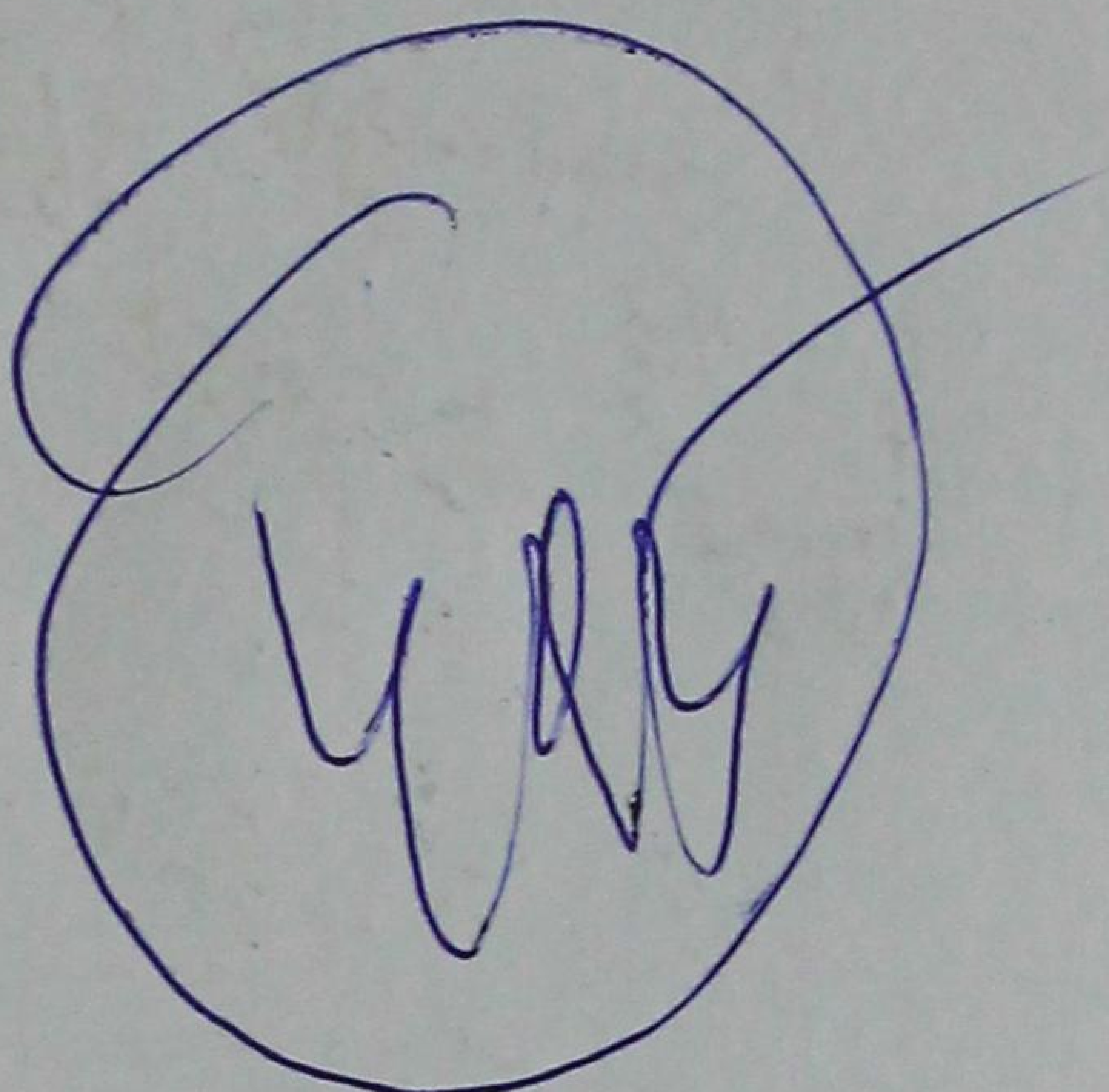
یا

شعروں کی ڈکشنری

حصہ دوم

مجیبیہ کتب خانہ کلاں محل۔ دہلی

قیمت 1/8



ھوالعزیز

علمِ مجلسی

معروف بہ

شعروں کی ڈکشنری

حصہ دوم

مرتبہ

عزیز الرحمٰن میر منشی قلعہ معلیٰ - دہلی

مجیبیہ و حبیبیہ کتب خانہ - کلاں محل دہلی

(محبوب المطابع برقی پریس دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمِ مجلسی

حصۂ دوم ۲

خدا گر لطفِ زباں لطفِ بیاں گر دے تو اتنا دے
دلوں میں آرزو بن کر اُتر جائے سخن اپنا

حضرات! قدر دانانِ سُخن کی خدمت میں التماس ہے کہ نسخۂ علمِ مجلسی حصۂ اول کو پسند فرما کر جو آپ نے اِس ہیچمیرز کی محنتِ تالیف کی داد دی۔ اور اس ناچیز تحفۂ علمی کی قدر دانی فرمائی، اُس کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں، اور اسی قدر دانی کے بھروسہ پر یہ دوسرا حصہ بھی پیش ہے۔ امید ہے کہ یہ بھی سخن سنجانِ ادب اور ادیبانِ سخن سنج سے کماحقہٗ خراجِ تحسین حاصل کریگا۔ اور مزید خدمت علمی کرنے کے لئے دل بڑھائے گا۔

نالۂ موزوں کا دیوانہ ہوں مُرغانِ چمن
تنکے چُنتا ہوں تمہارے آشیانے کیلئے

گو حصۂ اول میں بہت کچھ لکھ کر ناظرین کی سمع خراشی کر چکا ہوں۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اِس موضوع پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ مضمون اُمڈے چلے آتے ہیں۔ کتاب میں گنجائش کم۔ بخوفِ طوالت ان کو مختصر کیا۔ مگر مختصر بھی کہاں تک کیا جائے دِل نہیں مانتا۔

بقدرِ ذوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہئے وسعت میرے بیاں کیلئے (غالب)

مگر ساتھ ہی اس کے یہ عرض ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے زمانہ کا رنگ دیکھ کر لکھا گیا ہے۔ افسوس کہ آج کل کے زمانہ میں ایسے افراد بہت ہی کم ہیں جو حسبِ حال بامعنی اور پُراثر گفتگو کر سکیں، اور اسی ضرورت کو محسوس کر کے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ورنہ ؎

نہ کچھ مضموں طرازی ہے نہ کچھ رنگیں بیانی ہے
حقیقت اور امرِ واقعی سچی کہانی ہے

ظاہر ہے کہ حسنِ تقریر بھی بجائے خود ایک جادو ہے کیونکہ اگر آپ کی تقریر مدلل اور پُرتاثیر اور آپ کی گفتگو پُرلطف اور دلکش ہے تو لوگ آپ کی باتوں کو شوق سے سنیں گے اور آپ کے لئے سنگدل کو موم کر لینا مغرور سے مغرور کو رام کر لینا اور دلی مراد حاصل کر لینی بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا ؎

سُن بھی لیتا ہے۔ حالِ دل وہ شوخ
آتے ہوں ڈھب۔ مگر سنانے کے
(جوہر رامپوری)

پھیکی بے ربط اور بدمزہ تقریر سے سامعین دل برداشتہ ہو جاتے ہیں اور غور سے سننے کی بجائے یہ چاہتے ہیں کہ یہ بے ہنگام نعرے کہیں جلد ختم ہوں۔ ایسی تقریر کو زبان کہنا ہی زبان کی توہین ہے۔ ہاں اس کو ایک قسم کی بولی کہہ سکتے ہیں۔ جو عام جانوروں کی بولیوں سے کسی قدر ممتاز صورت اختیار کئے ہوئے نظر آتی ہے ؎

سمجھ میں صاف آ جائے فصاحت اسکو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے میں بلاغت اسکو کہتے ہیں

ہر زبان کے لٹریچر کی دو قسمیں ہیں ایک نثر دوسری نظم کون نہیں جانتا کہ نثر کی نسبت نظم میں بہت زیادہ طاقت اور تاثیر ہوتی ہے۔ بعض اہل الرائے

حضرات کا خیال ہے کہ شاعری ایک قسم کی مصوری ہے لیکن میرے خیال میں تو شاعری کا مرتبہ مصوری کے رتبہ سے کہیں افضل و اعلےٰ ہے کیونکہ مصوری کا کا کام صرف اس قدر ہے کہ کسی انسان یا حیوان۔ باغ یا مکان یا دوسرے منظر کی ہو بہو تصویر کھینچ دے جو بجائے خود واقعی ایک کمال ہے۔ ؎

اے مصوّر ترے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں
خوب تصویر بنائی مرے بہلانے کو

شاعران باکمال کا کام صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتا کہ ظاہری اشیا اور موجودات کا نقشہ اپنے الفاظ کے سانچہ میں ڈھال کر پبلک کے سامنے پیش کریں بلکہ وہ اُن خواہشات اور جذبات کا فوٹو بھی لفظوں میں ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں جو حواس خمسہ کی دسترس سے بالکل باہر ہیں، وہ معمولی بات کو ایسے پُر درد اور دلکش پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں کہ منہ سے بے اختیار آہ یا واہ نکل جاتی ہے۔ وہ ایسے سبز باغ دکھاتے ہیں کہ دل بے تاب ہو جاتا ہے ایسے نقشے پیش کرتے ہیں کہ طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے۔ جناب عزیز لکھنوی فرماتے ہیں ؎

شاعری کیا ہے۔ فقط تصویر جذبات نہاں
قوتِ تخئیل کے ہمراہ۔ تاثیر زباں

شاعرانِ باکمال کا زبان پر بہت بڑا احسان ہے۔ کاش لوگ ان کی محنت اور جگر کاوی سے فائدہ اٹھاتے اور ان کے حسن تخئیل کی داد دیتے۔ اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ شعر اور شعر کی دل کشی اور تاثیر کا حقیقی راز یہ ہے کہ بعض باکمال شعراء کسی بڑے سے بڑے اور پست سے پست مضمون کو ایسے مختصر سے مختصر پُر معنی اور دل کش الفاظ میں ادا کرتے ہیں کہ منھ سے نکلتے ہی دلوں میں اتر جاتے ہیں، اور جب وہی شعر دورانِ گفتگو میں کہیں حسب موقعہ

پڑھ دیا جاتا ہے تو اس کی تاثیر ہزار گنی ہو جاتی ہے، اور سننے والے بہت ہی محظوظ اور متاثر ہوتے ہیں اور جو صاحب شعر پڑھتے ہیں ان کے لطف اور فخر کا تو پوچھنا ہی کیا ؎

بیانِ دردِ دل کس لطف سے کرتے ہزار افسوس
جو ہوتا بزم میں اس کی کبھی اشعار کا چرچا (لطف اسٹرآبادی)

غرض ایسے نادر دلچسپ اور معاملہ بندی کے اشعار جو برجستہ اور باموقع پڑھ دینے پر سامعین کو تڑپانے میں کامیاب ثابت ہو سکیں۔ ہیں تو بکثرت لیکن مختلف مثنویوں، دیوانوں اور نظموں میں منتشر ہیں جن کا مطالعہ کرنا ڈھونڈھنا اور ڈھونڈ کر ذہن نشین کرنا کارے دارد۔ یہ ہی وجہ ہے کہ یہ جواہر ریزے عالمِ کس مپرسی اور تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں اور شائقین ان سے کماحقہ مستفید نہیں ہو سکتے ؎

بینائے رقوماتِ ہنر چاہیئے اس کو
سودا ہے جواہر کا نظر چاہیئے اس کو

اس کتاب کے لکھنے کا اصل مطلب و منشاء یہ ہے کہ شائقین اور زندہ دل اصحاب شاعرانِ باکمال اور ناظمانِ بے مثال کی دماغ سوزیوں اور جگر کاویوں سے فائدہ اٹھا کر تحریر و تقریر کو آسانی کے ساتھ دلکش اور پُر تاثیر بنا سکیں اور کسی موقع پر بھی اپنے مطلب کا اظہار کرنے اور جواب باثواب دینے سے قاصر رہ کر خفت نہ اُٹھائیں۔ چنانچہ اکبر الہ آبادی مرحوم کیا نکتہ کی بات فرماتے ہیں ؎

ہمنشیں ظلمِ بُتاں پر چُپ نہ رہنا چاہیئے
بات جب کچھ بَن نہ آئے شعر کہنا چاہیئے

اَب جو میں نے اتنا دردِ سر مُول لیا اور محنت و جاں فشانی ایسی کی کہ ماتھوں پسینہ آگیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں، دماغ چکرا گیا۔ اب جو میں نے اپنی طاقت و لیاقت سے بڑھ کر اتنے بڑے کام میں ہاتھ ڈالا۔ اور اپنی چادر سے باہر پاؤں پھیلائے، گویا بڑے بڑے لائق مصنفین و مؤلفین کو منھ چڑایا ہے۔ علم مجلسی اور پھر اس کے ساتھ پند و نصائح جیسے اہم کام کا بار اپنی گردن پر لینا بڑے دل گُردے والوں کا کام تھا۔ تو کہیں زندہ دل حضرات کی طرف سے یہ جواب نہ ملے کہ ؎

نہ کر عشق و جنوں میں گفتگو۔ اے ناصح ناداں
ترا مُنہ ہے کہ تو بولے یہ سر کلروں کی باتیں ہیں

جب میں نے اوّل اوّل ایسی کتاب لکھنے کی دل میں ٹھانی تھی تو میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ اس کتاب پر بہت چہ میگوئیاں اور کانا پھوسی ہوگی۔ دل جلے دل کے پھپھولے پھوڑیں گے۔ حاسد بغلیں بجائیں گے اور میں تن تنہا ہر طرف سے انگشت نُما ہو کر مُنھ دیکھتا اور بغلیں جھانکتا رہ جاؤں گا وہی مثل ہے ؎

آغازِ عاشقی میں کلیجہ دھڑک گیا
سر پھوڑنے سے پہلے ہی ماتھا ٹھنک گیا

اب اہل نظر اصحاب سے یہ التجا ہے کہ یہ تو میرا دِل گواہی دیتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو بال کی کھال نکالنی اُن کے لئے بائیں ہاتھ کا داؤں ہے اور ان سے بہتر سینکڑوں باتیں اُن کے ناخنوں میں بھری پڑی ہیں۔ مگر میری کم بضاعتانہ جگر کاوی اور خون آشامی کو دیدہ دلیری یا سینہ زوری پر محمول کر کے پیشانی پر بل نہ ڈالیں، ناک بھوں نہ چڑھائیں بلکہ کشادہ پیشانی۔ فراخ اور عالی حوصلگی سے قوتِ بازو بن کر دوش بدوش میرا ہاتھ بٹائیں اور میری کمر ہمت

بندھائیں، اور ہر ایک پہلو سے اِس کتاب کی کوتاہیاں اور خامیاں پوری کرنے اور اس کو مفید اور کارآمد بنانے سے پہلوتہی نہ کریں، اُن کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ ؎

ما بدیں منزلِ عالی نہ توانیم رسید
ہاں مگر لطفِ شما پیش نہد گامے چند

ساتھ ہی یہ عرض ہے کہ وہ اِس بات کو بھی نظرانداز نہ کریں کہ دنیا میں جیسے ہر شخص کی صورت جدا ہے ویسے ہی ہر ایک کا مزاج، رجحان اور میلان بھی الگ الگ ہے، پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، اِسی لئے سب کے مذاق اور دلچسپی کو مدِّ نظر رکھ کر کتاب لکھنی چاہیئے۔ کیوں کہ دُنیا میں ایک ہی قسم کا مضمون ہر ایک شخص کی دلچسپی کی کفالت نہیں کر سکتا، ہاں قابلِ اعتراض عادات واطوار کے اشخاص کے اخلاق کو سنوارنا ہر ایک مصنّف و مؤلف کی غرض و غایت ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے۔ مگر ایک دم سے کسی کے دل میں دل نہیں ڈالا جا سکتا۔ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمائی جا سکتی۔ انگلی پکڑتے ہی پہنچا پکڑنے کی کوشش رائیگاں اور بے سود ہوتی ہے، ایسی روکھی پھیکی نصیحت پر جس میں دل نہ لگے کوئی کان نہیں دھرتا، اِس کان سنا اُس کان اُڑا دیا جاتا ہے نصیحت کرنے والے کو مُنھ کی کھانی پڑتی ہے کیوں کہ بعض مگڑے دل تو سینہ سپر ہو کر کلہ بہ کلہ جواب دیدیتے ہیں کہ ؎

حضرتِ ناصح کی باتیں میں سمجھتا ہی نہیں
ناسمجھ ہیں۔ دل لگی سمجھے ہیں سمجھانا مرا

بعض زندہ دل اصحاب ایسے ناصح کو انگلیوں پر نچاتے اور بیچاروں کا وہ ناک میں دم کرتے ہیں کہ ان کو اپنی جان بچانی اور پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے

غالباً یہی سبب ہے کہ ناصح صاحبان کو نوجوانوں کی نصیحت سے بے التفاتی کا شکوہ اور اُلٹا اپنا ہی تمسخر اُڑانے کی عالمگیر شکایت رہتی ہے۔ کیوں کہ اُلٹی اُن ہی میں کوئی نہ کوئی خامی نکال دی جاتی ہے کہ ؂

جنابِ حضرتِ ناصح کا واہ کیا کہنا
جو ایک بات نہ ہوتی۔ تو اولیاء ہوتے (اکبر الٰہ آبادی)

خیال کرنے کی بات ہے کہ جو بچّہ ابھی پیٹ کے بل یا گھٹنیوں چلتا ہے اور قدم قدم بھی نہیں چل سکتا، اس کو دوڑنا سکھانا کہاں تک درست ہے۔ اِسی طرح جس شخص کے رگ و ریشہ میں لہو و لعب کی باتیں پیوست ہوں جس کا بال بال گناہوں میں آلودہ ہو۔ جو جوشِ جوانی میں اندھا ہو رہا ہو، اس کے دل پر نصیحت کی باتیں ایک دم سے کیا اثر کر سکتی ہیں۔ وہاں ناصح کو یہی جواب ملتا ہے ؂

جو نہ سمجھے ناصحو پھر اس کو سمجھاتے ہو کیوں؟
ساتھ دیوانے کے دیوانے بنے جاتے ہو کیوں؟ (جگر لکھنوی)

اس لئے میری رائے ناقص میں یہ بات آتی ہے کہ پہلے سب کو نصیحت یا کتاب کی طرف متوجہ کرنے کے لئے رکیک و مذموم۔ خلافِ اخلاق باتوں سے محترز رہ کر اُن کی دلچسپی اور چاشنی کا خیال ضرور رکھنا چاہیئے، اور ان کو راہِ راست پر لانے کی اہم مہم کو آہستہ آہستہ سر انجام دینا چاہیئے، ان کے خیالات کی تدریج اِصلاح کرنی چاہیئے۔ جیسے کہ کوئی رگ یا پٹھا پھڑک جاتا ہے۔ تو اس کا درد یا وَرم ایک دم سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ آہستہ آہستہ مالش کرنے اور سینکنے سے رفع ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح نصیحت اس طرز کی ہو کہ ناگوارِ طبع یا بارِ خاطر نہ ہو۔ مشفقانہ صلاح و مشورے سے جو کام نکلتا ہے وہ ڈانٹ ڈپٹ یا

طعن و تشنیع سے نہیں نکلتا ہے

رہ گزر ہیں شیخ رسوا کر نہ بہر مے کشی
جو خطا پردے میں ہو اس کی سزا پردے میں ہو

اس طرح پند و نصائح کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کامیابی کا سہرا آپ کے سر رہے گا وہی لوگ جو پہلے خود سری کرتے تھے آپ کے سامنے سر تسلیم خم اور زانوے ادب تہ کریں گے۔ آپ کی باتوں کو گوش ہوش سے سنیں گے اور ایک دن وہ آئے گا کہ رفتہ رفتہ آپ کی نصیحتوں سے متاثر ہو کر ان کے دل میں نیکی کا ولولہ اُٹھے گا۔ اور سب فروعات کو چھوڑ کر آپ سے مئے حقیقت پلانے کی درخواست کرینگے اور کہیں گے ہے

بادہ در جوش است و رنداں منتظر
ساقیا خُذ مَا صَفَا وَدَع مَا کَدِر

اسی خیال سے میں نے اس کتاب میں نصیحت و اخلاق کے ساتھ عاشقانہ و ظریفانہ اشعار کی چاشنی بھی دی ہے کہ ہر ایک مزاج اور عمر کے اصحاب کا دل اس کتاب میں لگے۔ اب جوانانِ سعادت مند و شائقین حقیقت پسند سے یہ عرض ہے کہ علم مثل آگ کے ہے۔ خواہ اُس سے کھانا پکاؤ یا کوئی اور مفید کام لو اور چاہے گھر پھونک تماشہ دیکھو، اس لئے یہ امید ہے کہ وہ اِس مفید کتاب کو محض تفریح طبع یا دل بستگی کا آلہ نہ بنائیں۔ بلکہ اس میں جو بہترین روح پرور اور قابل عمل مضمون ملیں ان کو بمصداق خذ ما صفا دَع مَا کدر اپنے قول و فعل میں دستور العمل بنائیں جس سے دنیا میں سرسبزی اور عقبیٰ میں سُرخروئی حاصل ہو ہے

اکبر الہ آبادی

نیت ہو اگرچہ خیر و ایماں کی طرف رباعی آنکھیں نہ اُٹھاؤ بزم عصیاں کی طرف

مانا کہ پڑھو گے وہاں پہنچ کر لاحول　جانا ہی ضرور کیا ہے شیطاں کی طرف

میں مانتا ہوں کہ اتنا بڑا کام مجھ جیسے محدود قابلیت کے فرد کے لئے اس مسبب الاسباب کی مدد کے بغیر نہ صرف مشکل بلکہ محال ہے اور سب سے بڑھ کر مقبولیت عطا کرنا واہب عطایا کے دستِ قدرت میں ہے۔ خلعتِ قبولیت جس کو ملتا ہے اُسی سرکار دربار اور بارگاہ خدا سے ملتا ہے۔ اس لئے میں اُسی سے مدد چاہتا ہوں کہ ؎

زباں کو میری گویا کر الٰہی اپنی مدحت میں　کروں مُردہ دلوں کو زندہ میں معجز بیاں ہو کر
کمر کستا ہوں تیرے نام پر تو مجھ کو ہمت دے　سہارے پر ترے اُٹھتا ہوں ترا مدح خواں ہو کر
جہاں بھولوں بتا۔ جس جا بہک جاؤں ہدایت کر
جو ہو لغزش۔ تو مجھ کو تھام میرا مہرباں ہو کر

جن لوگوں کو علمی ذوق اور زباں دانی کا شوق ہے جو حُسنِ سخن کے گرویدہ اور اندازِ بیان کے متوالے ہیں جو گوہر مضمون کے جوہری اور نفاست و نزاکتِ زبان کا چٹخارہ لینے والے ہیں ان کے لئے سب سے پیارا رفیق کتاب ہے۔ یہی سفر و حضر میں خلوت و تنہائی میں ان کی مونس و ہمدم ہوتی ہے۔ یہی کلفت اور پریشانی میں ان کی شفیق و غم گسار ہوتی ہے۔ یہی خوشی اور خرّمی کے وقت ان کی مصاحب و یار غار ہوتی ہے، اس کے آگے نہ انہیں کسی حسین کی خواہش نہ کسی کے حسن و جمال سے غرض نہ کسی کے ناز و ادا سے سروکار، نہ کسی کی محبت کی آرزو۔ نہ کسی کی الفت کی تمنا، نہ کسی کی زلفوں کے اسیر نہ کسی کے دامِ گیسو کے گرفتار۔ نہ کسی کی نگاہِ ناز کے صید۔ نہ تیغ ابرو کے شکار۔ غرض مطالعہ سخن میں مگن، اور تلاشِ گوہر معنی میں غرق اور جستجوئے جواہر سخن میں کوشاں رہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ؎

خلوت کے وقت ہے سخن اک طرفہ دل رُبا
مطلوب ہے کہ پاس سے دم بھر نہ ہو جدا
رغبت اِدھر نہیں جنھیں اُن کا نہیں گلہ
میرا سا دل ہو گر تو ہر اک ہو یوں ہی فدا
سوئے حسیں نگاہ ہو مفتوں کی آنکھ سے
لیلیٰ کو دیکھے کوئی تو مجنوں کی آنکھ سے

معشوقِ نازنیں مجھے بھایا نہیں کبھی
کیسا ہی دل رُبا ہو دل آیا نہیں کبھی
خوش چشم آنکھ میں بھی سمایا نہیں کبھی
حُسن بشر کو دھیان میں لایا نہیں کبھی
مائل ہوا کبھی نہ کسی لالہ فام پر
سو جاں سے ہوں نثار تو حسنِ کلام پر

زُلف رسا کے دام سے آزاد ہے یہ دل
ہمدم سے اپنے آٹھ پہر شاد ہے یہ دل
دلدادۂ حسینِ خداداد ہے یہ دل
شیریں ہے گر کلام تو فرہاد ہے یہ دل
سختی سہی کہ دَم پہ بنی اُس کے عشق میں
کرتا رہا ہوں کوہ کنی اُس کے عشق میں

اِس کتاب کو تالیف کرنے کے لئے اشعار کو انتخاب کرنے اور عنوان وار ترتیب دینے میں جو کچھ محنت اور جاں فشانی مجھ کو کرنی پڑی ہے اس کا اندازہ وہی لوگ خوب کر سکتے ہیں جو تالیف و تصنیف کی کٹھن منزلیں طے کر چکے ہیں۔ مگر اِس بات کو دیکھ کر تعجب و افسوس ہوتا ہے کہ اِس زمانہ میں علم کا چرچا۔ شعر و سخن جیسے گراں بہا فنّ کا شوق کیسا پستی کی حالت میں ہے۔ کوئی زمانہ وہ تھا کہ ایک ایک شعر کے کہنے میں لاکھ لاکھ روپے کے توڑے مل جاتے تھے۔ داد دیتے دیتے قدر دانوں کے منھ سوکھ جاتے تھے۔ مگر اب کوئی لاکھ اپنی لیاقت دکھائے۔ پھوٹی کوڑی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ کوئی ہزار سَر کھپائے۔ کسی کے کان پر جُوں تک نہیں رینگتی، ایسی حالت میں کیا کوئی اہلِ کمال اپنا جوہر دکھائے۔ کیا کوئی

اہل فن اپنا ہنر بتائے۔ فی زمانہ نہ کسی فن کی قدر ہے۔ نہ کسی کامل کی منزلت آج کل کے مصنّف اور مؤلف آپ ہی کتابیں لکھیں، آپ ہی چھپوائیں۔ اور پڑھیں بھی آپ ہی، داد کی خواہش ہو تو پھر پیٹھ بھی آپ ہی ٹھونک لیں۔ انعام واکرام دینے والے تو درکنار، داد دینے والے قدردان بھی عنقا ہو گئے ؎

ناقدر ہو جہاں تو سخن ور کا کیا قصور　　عنقا ہوں بلبلیں تو گُلِ تر کا کیا قصور
معدوم اہلِ دل ہوں تو دلبر کا کیا قصور　　نایاب جوہری ہوں تو گوہر کا کیا قصور
بینا نہ ہو تو حُسن کا ہرگز گلا نہیں
طالب نہ ہوں تو مشکِ خُتن کی خطا نہیں

سامع نہ ہوں تو خوبیٔ تقریر کیا کرے　　جب سامنے نشانہ نہ ہو تیر کیا کرے
جَوہر شناس گر نہ ہوں شمشیر کیا کرے　　خواہش نہ خاک بھی ہو تو اکسیر کیا کرے
صندل علاج کیا کرے گر دردِ سَر نہ ہو
عنبر بھی خاک ہے کوئی خواہاں اگر نہ ہو

دنیا کے انقلاب سے پیدا ہے یہ اثر　　معشوق سے ہیں عاشق جانباز بے خبر
جُویا ہیں گل پہ بلبلیں آتی نہیں نظر　　سکتے میں خود ہے سَرو کہ ہیں قمریاں کدھر
دلسوز گرد رہتے تھے۔ سو وہ جُدا ہوئے
سَر دھن رہی ہے شمع کہ پروانے کیا ہوئے

بعض صوفی منش اصحاب نے یہ رائے ظاہر فرمائی کہ اِس کتاب میں عاشقانہ وظریفانہ شعر نہ ہونے چاہئیں، ان کی خدمت میں شاید یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اچھی سے اچھی چیز بھی بے موقعہ ہو تو بے زیب معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی طرح معمولی بات بھی اگر حسبِ موقعہ اور برمحل ہو تو نہایت لطف دیتی ہے جیسے کہ مجلسِ ماتم میں لطیفہ گوئی یا ہنسی مذاق کی بات بے موقع ہو گی۔

اسی طرح خوشی کی بزم میں رنج و ملال کی باتیں محفل شادی میں فنا و موت کی حکایتیں کوئی بزرگ لے کر بیٹھیں تو حضرت کا جبّہ و قبا عصا و دستار کہاں جائے گی یہی ہو گا نہ کہ بڑی عزت کے ساتھ دست بدستِ دگرے و پا بدستِ دگرے محفل کے باہر تشریف پہنچائی جائے گی۔ وہ یہ سمجھ لیں کہ ؎

کجی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لئے | سرمہ زیبا ہے فقط نرگسِ جادو کیلئے
تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لئے | زیب ہے خالِ سیہ چہرہ و ابرو کیلئے

داند آن کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

ہاں جو رکیک اور خلافِ اخلاق حیاء سوز اشعار انتخاب کے وقت نظر کے سامنے آئے ان کو اس کتاب میں درج کرنا میرے دل نے خود ہی گورا نہ کیا، اس کے علاوہ ایک غرض اور ہے کہ بعض شعراء اپنے اشعار میں مطالب کو بے حد پیچیدہ صورت میں نظم فرماتے ہیں تشبیہاتِ عجیبہ اور مناسبات غریبہ کے جواہرات جڑ کر مرصع بناتے ہیں۔ بے شک یہ کمال ہے اور اُن کی عالمانہ معلومات اور شاعرانہ قابلیت پر دال ہے لیکن ان اشعار کو وہ خود پڑھ کر خود ہی لطف اٹھاتے اور ان کا مزہ لیتے ہیں۔ اس لئے ایسے اشعار بھی جو حد سے زیادہ مُبالغہ آمیز معلوم ہوئے یا جو دشوار اور پیچیدہ ہو کر مُعمّہ یا چیستاں بن گئے۔ میں نے دانستہ اُن کو اِس کتاب میں درج نہیں کیا تاکہ مجھ جیسے کم علم اشخاص کی طبائع الجھن میں نہ پڑیں اور وہ بھی ان سیدھے سادے شعروں سے اپنی مطلب براری کر لیں ؎

نظم بے جا پہ طبیعت کبھی مائل نہ ہوئی | چھوڑ دی بات وہ جو کہنے کے قابل نہ ہوئی

فکر جب کی۔ کوئی مشکل مجھے مشکل نہ ہوئی
برتری کون سی اِس میں مجھے حاصل نہ ہوئی

آبرو رہ گئی۔ ہر مرتبہ مجھ عاصی کی
دُرِ یکتا ہی ملے جب کبھی غواصی کی

رُخ جدھر کا کیا اس سمت تو ڈانٹا میں نے
اِس گلستاں میں رکھا کوئی نہ کانٹا میں نے

پُھول اُترتے گئے جو جو انہیں بانٹا میں نے
حد سے جو بڑھ گئیں شاخیں انہیں چھانٹا میں نے

امرِ مرغوب جو تھے سب کو وہ منظور ہوئے
لے کر ان تحفوں کو احباب بھی مسرور ہوئے

میرے دل پر پُرسوز یا شگفتہ شعر بہت اثر کرتا تھا، اور جب کوئی ایسا شعر ملتا تو اُس کو بیاض میں درج کر لیتا۔ بعد میں یہ شوق عشق کے درجے تک پہنچ گیا، پھر تو بڑی کوشش اور تلاش سے اچھے اشعار عنوان وار جمع کرنے لگا۔ اس طرح ان کو قرینہ قرینہ سے لگا کر ایک باغ سا سجا لیا۔ جب دل گھبراتا۔ اسی باغ کی سیر کرتا۔ اس کے پھولوں کی خوشبو سے دل کو فرحت اور رُوح کو سرور ہوتا — ہر قسم کے نمکین اور چٹپٹے شعروں کو پڑھ کر زبان کے چٹخارے لیتا۔ مجھے اس بیاض کے مطالعہ میں باغِ نعیم کی سیر کا مزا ملتا۔ کبھی درِ فردوس پر رضواں سے ملاقات ہوتی تو طوبےٰ کے سائے میں حوروں سے دو دو باتیں ہوتیں۔ کبھی کوثر پر غلمان کے ساتھ کوثر کے جام اُڑتے کبھی جلوۂ حق سے دل منور ہو جاتا۔

بیاض کا دوسرا ورق اُلٹتا تو سین ہی دوسرا نظر آتا۔ یعنی دنیاوی باغ کی سیر کا لطف آتا۔ کبھی گل و بلبل، سرو و قمری کے راز و نیاز کی باتیں دیکھ کر دل شاد ہوتا۔ کبھی نرگس آنکھیں دکھاتی تو سوسن منھ چھپا لیتی۔ کبھی گلاب محو دید کر لیتا، تو سنبل پاؤں میں لپٹ جاتی۔ کبھی پھولوں

کی خوشبو مست کر دیتی ۔ تو کبھی نسیم آ کر دل کی کلی کھلا دیتی ۔ کبھی کنارِ آبجو شغلِ مے و صحبتِ یار کا لطف آتا ۔ کبھی ابرِ بہار آ کر چھینٹے دیتا ۔ تو سبزہ قدموں میں بچھا جاتا ۔ غرض عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ۔ دل نے کہا کہ یہ بہار آپ ہی آپ نہ اُڑاؤ ۔ بلکہ یارانِ شاطر و قدر دانانِ سخن کو بھی اِس باغ کی دعوت دو ۔ اس لئے یہ سجا سجایا باغ احباب کی نذر ہے ۔ اب چاہے باغِ اِرم کی سیر کریں ۔ چاہے باغ عدن کی ۔ یہ آپ کی مرضی اور پسند پر موقوف ہے ۔ بقولے کہ

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

جب لگائے تو نئے باغ لگائے کیا کیا
نخلِ سر سبز سخن میں ہیں پھل آئے کیا کیا

رنگ پر رنگ زباں نے ہیں دکھائے کیا کیا
واہ پھل اپنی مشقت کے ہیں پائے کیا کیا

گل وہ ہیں جن کی مہک خلق میں ہر سُو پہنچی
گلشن خلد میں جن پھولوں کی خوشبو پہنچی

عشق میرا سا نہانی ، دلِ بُلبُل میں نہیں
میرے پھولوں میں جو بُو ہے وہ کسی گُل میں نہیں

نسترن میں نہیں ۔ فردوس کے سُنبل میں نہیں
عطر فتنہ میں نہیں ، حور کی کاکُل میں نہیں

دلِ شیدا اسی نکہت پہ فدا رہتا ہے
خانۂ دل اِن ہی پھولوں سے بسا رہتا ہے

سخن ایسا ہے۔ فدا جس پہ ہے رنگینی بھی
نمکیں کا ہے مزا۔ لذتِ شیرینی بھی
لُطفِ دنیا بھی ہے اور کیفیتِ دینی بھی
وَجد میں نغمہ سرائی بھی ہے گُل چینی بھی

کسی گلشن کا نہ مُشتاق۔ کسی باغ کا ہوں
میں کبوتر بھی ہوں بلبل بھی اِسی باغ کا ہوں
پھول بھی ہوں۔ ثمرِ گلشنِ ایجاد بھی ہوں
خلق میں. بندۂ حق گو بھی ہوں آزاد بھی ہوں
چمن آرائے مضامیں بھی ہوں آباد بھی ہوں
خوش بھی اِس نورِ گُل شاداب سے ہوں شاد بھی ہوں
باغ کا اپنے محافظ بھی ہوں مرتاض بھی ہوں
جمع کرتا ہوں لُٹا دینے پہ فیاض بھی ہوں

آخری گذارش یہ ہے کہ میں نے حکایاتِ عجیبہ و روایاتِ غریبہ حالاتِ امراء و مقالاتِ فقراء۔ مضامین علمی و قوانین عملی۔ پندہائے سود مند و نکتہائے دل پسند۔ عجائباتِ عالم، و غرائباتِ بنی آدم۔ اقوال حکماء و افعال علماء۔ لطائفِ خوب و ظرائف مرغوب۔ شائقین باتمکین کی بہبودئ دنیا و فلاح دین کی غرض سے اِس کتاب میں جمع کئے ہیں۔ اب اِس بحر فصاحت میں سے گوہر معنی پسند کرنا۔ اب اس کان علم و فضل میں سے جواہر سخن حاصل کرنا۔ اب اس گلشن بہار میں سے گل مُراد چُننا اور ان کو زینت اطوار، زیبِ گفتار اور طرّۂ افتخار بنانا ناظرین پر منحصر ہے۔ ورنہ یہ کتاب تو کیا ہے۔ دنیا میں اچھی سے اچھی چیز بھی

قدر کی محتاج ہے اور وہی مثل صادق آتی ہے کہ "بُت کو اگر مانو تو دیوتا ہی نہیں تو پتھر" ؎

خطاب ان سے ہے جو اہل علم ہیں ارباب معنی ہیں
وگرنہ فرق کیا ہے بصورتِ نوعی سے انساں ہیں

میں حصۂ اول میں اپنے ناظرین سے سمع خراشی کی معافی مانگ چکا ہوں اب دوبارہ اس دوسرے حصہ میں بھی ان کی قدردانی اور ہمت افزائی کے سبب وہی قصور پھر ہوگیا ہے۔ وہی مثل ہے کہ ع "کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ" "خیر جب تک زندگی ہے" بشر خطا کے لئے ہے اور خطا بشر کے لئے۔ گو معافی مانگتے ہوئے خود ہی یہ خیال آتا ہے کہ ؎

منصفی شرط ہے۔ آخر کوئی کب تک بخشے
روز ہو جاتی ہے بھولے سے خطا تھوڑی سی

مگر ناظرین سے عرض ہے کہ معافی کے لین دین کا یہ حساب کتاب آج ہی ختم نہ سمجھیں۔ بلکہ یہ تو عمر بھر کا قصہ ہے اور جب خدا ہی چکائیگا تو چُکے گا۔ کیونکہ تیسرا اور چوتھا حصہ بھی تیار رہے اور ان کے علاوہ بشرطِ زندگی و فرصت اور بھی حصے تیار کرنے کا ارادہ ہے اس لئے عرض ہے کہ ؎

حاضر ہوا کروں گا میں اکثر حضور میں
آج اچھی طرح سے مجھے پہچان لیجئے

اکتوبر ۱۹۲۶ء
مطابق
ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

دعاگو اور دعائے خیر کا طالب

عزیز الرحمن

(میر منشی قلعۂ معلّٰی۔ دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ

مثنوی میر حسن

کروں پہلے توحیدِ یزداں رقم — جھکا جس کے سجدے کو اوّل قلم
سرِ لوح پر رکھ بیاضِ جبیں — کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں
قلم پھر شہادت کی انگلی اُٹھا — ہوا حرف زن یوں کہ ربُّ العلا
نہیں کوئی تیرا نہ ہوگا شریک — تری ذات ہے وحدہٗ لاشریک
پرستش کے قابل تو ہے اے کریم — کہ ہے ذات تیری غفورُالرحیم
رہِ حمد میں تیرے عزّ و جل — تجھے سجدہ کرتا چلوں سر کے بل
اگرچہ وہ بے فکر و غیور ہے — ولے پرورش سب کی منظور ہے
چمن میں ہے وحدت کے یکتا وہ گل — کہ مشتاق ہیں جس کے یاں جزو و کل
وہی نور ہے سب طرف جلوہ گر — اسی کے یہ ذرّے ہیں شمس و قمر

نامعلوم
بری ہے فکرِ بشر سے صفات و ذات اس کی — جو آئے فہم میں اپنے تو وہ خدا کیا ہے

منیر شکوہ آبادی
سرتاجِ روح نام ہے ربِّ کریم کا — چوٹی عروسِ جاں کی ہے دُنبالہ میم کا

شفق عماد پوری
کہتے ہیں جس کو جنت مشہور ہے جو دوزخ — وہ ہے جمال تیرا، یہ ہے جلال تیرا

نامعلوم
ترے منھ میں باقی ہے جب تک زباں — کرلے دل تو تحمیدِ خالقِ جہاں

جگر لکھنوی
ساری دنیا ہے تری، سارا زمانہ تیرا — جس کو سنتا ہوں وہ کہتا ہے فسانہ تیرا

مفتوں نہوری
تری تسبیح دل میں بھی ہو، اور وردِ زباں بھی ہو
گھڑی کی طرح یہ کھٹکا، نہاں بھی ہو عیاں بھی ہو

اکبر الٰہ آبادی
دلوں کا مالک، بشر کا حاکم، سمجھ کا صانع، خرد کا بانی
جمال اُسی کا، جلال اُسی کا، اسی کو زیبا ہے لن ترانی

نعت

بیان یزدانی — عجائب معجزہ ہے جلوہ اُس نورِ مجرّد کا / کہ تھے دونوں جہاں سایہ میں اور سایہ تھا قد کا

" — رقابت احمد و اللہ دونوں ہیں برابر ہی / شریک اللہ کا کوئی نہ کوئی مثلِ احمد کا

اوج لکھنوی — دیکھنا انجمن قربِ خدا و احمد / رہ گیا تھا فقط اک آنکھ کا پردہ باقی

اکبر الہ آبادی — محمد پیشوا اور رہنمائے خلق و عالم ہیں / معزز ہیں مقدس ہیں معظم ہیں مکرم ہیں

فروغِ محفلِ ہستی ہیں نورِ عرشِ اعظم ہیں / حبیبِ حق ہیں ممدوحِ ملک ہیں فخرِ آدم ہیں

انہیں کے رنگ سے رنگِ گلِ ہستی کی زینت ہے
انہیں کی بو سے عطر آگیں بنی آدم کی طینت ہے

جلوہ

اکبر الہ آبادی — جہانِ صوت کا ذرہ ذرہ جمالِ معنی کا آئینہ ہے / مگر انہیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

تاباں دہلوی — نظر آگیا جو۔ وہ جلوہ نہیں ہے / اسے دیکھنا کچھ تماشا نہیں ہے

امیر مینائی — حشر پر قامتِ جاناں کا ہے جلوہ موقوف / اِس قیامت کو قیامت پہ اٹھا رکھا ہے

" — کس کام کی ہے آنکھ تری جلوہ گاہ میں / کیا احتیاجِ شمع تماشائے ماہ میں

" — کون سی جا ہے جہاں جلوۂ معشوق نہیں / شوقِ دیدار اگر ہے، تو نظر پیدا کر

مولانا حالی — وہ دیکھتے ہیں جبکہ نہ دیکھے کوئی اُن کو / دیکھے کوئی اُن کو تو وہ دیکھا نہیں کرتے

غالب — اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا / جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

" — کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے / پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اٹھائے نہ بنے

آتش — کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے / جس طرف دیکھا مقام ہو نظر آیا مجھے

نصیر دہلوی — جلوے کو اس کے دیکھ کچھ غش سا آگیا / اُس کا پتہ ملا۔ تو پھر اپنا پتہ نہیں

حرم و دیر میں ہے جلوۂ پُرفن اُن کا — دو گھروں کا ہے چراغ اک رُخِ روشن اُن کا — نامعلوم

وائے اپنی اس بصارت پر کہ ہر ذرہ میں آہ — جلوہ گر ہے آفتاب اور تابِ بینائی نہیں — امانی

دیدارِ دل رُبا کا دیوارِ قہقہا ہے — جس نے اُدھر کو جھانکا اس کو اِدھر سے کیا ہے — نامعلوم

پھرتا ہوں اسی خوابِ پریشاں میں ابھی تک — جلوے وہی ہیں دیدۂ حیراں میں ابھی تک — "

کہیں گُل بن کے ہو خنداں کہیں ہو بلبلِ نالاں — جھلکتا ہے یہاں سب میں ترا رنگِ طرحداری

جگر تھام کر دونوں ہاتھوں سے دیکھیں — قیامت کا اب سامنا ہے کسی کا — شاکر میرٹھی

خلوت سے انجمن میں وہ تشریف لائے ہیں — دنیا و دیں کے ساتھ بکھیڑے لئے ہوئے — ریاض خیرآبادی

تجلی جلوہ چاہے تو صفائے سینہ پیدا کر — اگر دیدار کا طالب ہے تو آئینہ پیدا کر — قدرت شاہجہاں آبادی

ہوش میں آئے تو حسرت سے کہا موسیٰ نے — بیخودی! کون یہ آیا تھا لبِ بام ابھی — شوکت میرٹھی

نکلو پردے سے تمہیں جلوۂ پنہاں کی قسم — ہم نہ دیکھیں گے تمہیں دیدۂ حیراں کی قسم — وفا رامپوری

باغِ جناں کی تھی ہوس اس کی بہار دیکھ کر — حشر میں ہم مچل گئے جلوۂ یار دیکھ کر — حفیظ عظیم آبادی

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی — ہزاروں اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی — نامعلوم

حیرانیِ نگاہ تماشہ کرے کوئی — صورت وہ رُوبرو ہے کہ دیکھا کرے کوئی — "

ہم تو کعبہ کی طرف صرف مناجات رہے — کعبۂ دل میں نہاں قبلۂ حاجات رہے — "

بندہ ہوں حُسنِ صورتِ عشقِ مجاز کا — ہر آئینہ میں جلوہ ہے اس جلوہ ساز کا — صبا لکھنوی

نہ دیکھا وہ کہیں جلوہ جو دیکھا خانۂ دل میں — بہت مسجد میں سر مارا بہت سا ڈھونڈا بتخانہ — میر ممنون

نشاں کیا کیا دکھائے تو نے یا رب بے نشاں ہو کر — شاہ ظفر

عیاں کیا کیا کچھ کیا ہے تو نے اے خالق نہاں ہو کر — احمدی کنجپوری

اے قیس عبث ہے تجھے ناقے کا تجسس — لیلیٰ ترے دل ہی میں ہے محمل میں نہیں ہے — شاکر میرٹھی

تلاشِ دیر و حرم ہے بے جا کہ جا بجا ہے وہ جلوہ فرما — "

جہاں پہ ڈھونڈا وہیں پہ پایا ہر اک مکاں ہے اسی مکیں کا — مذاق بدایونی

جنوں. وحشت. سودا

بعد میرے ایک بھی مجنوں نظر آتا نہیں
کس کے سہاروں میں اپنے پاؤں کی زنجیر کو
— منیظر شاہ وارثی

میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں بھی ہمیشہ خط میں
قبلہ و کعبہ لکھا کرتا تھا القاب مجھے
— ذوق

میرے حواس عشق میں کیا کم ہیں منتشر
مجنوں کا نام ہو گیا قسمت کی بات ہے
— اکبر الٰہ آبادی

دیوانگی نے کیا کیا عالم دکھا دیئے ہیں
پریوں نے کھڑکیوں کے پردے اٹھا دیئے ہیں
— آتش

جوش جنوں ہیں دیکھئے پیچھے نہ مڑ کے پھر
منہ جس طرف کو صورت دریا اٹھائیے
— ″

خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو
— غالب

یہ جوشِ جنوں رنگ لانے لگا
گریباں تک اب ہاتھ جانے لگا
— بیخود دہلوی

ہمارا دستِ وحشت بھی کہیں بیکار رہتا ہے
نہ جب باقی رہا اپنا تو ناصح کا گریباں تھا
— حیرانِ بریلوی

انداز جنوں کونسا ہم میں نہیں مجنوں
پر تیری طرح عشق کو رسوا نہیں کرتے
— نحو

ابتدائے عشق ہی میں اُف مرا جوشِ جنوں
بھاگتا ہوں سوئے صحرا شکل انساں دیکھ کر
— حامد امروہوی

ہر کوچہ و بازار سے ہو سنگ فشانی
دیوانہ ترا نکلے تو اس دھوم سے نکلے
— واقف خلف شاہ ظفر

سودائیوں سے عشق میں کرتے ہیں مشورے
جیسے ہیں آپ ویسے ہمارے مشیر ہیں
— رند

ایک دن دیکھی تھی اُسنے وحشتِ مجنوں کی سیر
پھر تو لیلیٰ خود تماشا تھی تماشائی نہ تھی
— جلیل مانکپوری

بہار آئی دکھائے دستِ وحشت ہاتھ میداں میں
نہ دامن میں رہے دھجی نہ اک تار گریباں میں
— مفتوں دہلوی

جن کو اک دنیا سمجھتی ہے گل گلشن کے دن
ہیں وہ ہم وحشت زدوں کے چاک پیراہن کے دن
— قوی امروہوی

یہی وحشت ہے تو اک دن لگا کر آگ گلشن میں
پڑے ہونگے لپیٹے منہ کسی صحرا کے دامن میں
— عیش

دِل وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پہ آنے کی
دِیوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی
— جرأت

ولولے جب عشق کے تھے اور جنوں کا جوش تھا
گہہ میں کچھ بکتا تھا گہہ دو دو پہر خاموش تھا
— ہوس

جوشِ وحشت میں مرا پھر دلِ ناشاد آیا
کونسا دشت ہے باقی جو اُسے یاد آیا
— جودت دہلوی

وہ کہتے ہیں ہمیں لیلیٰ بنا کر تم بنو مجنوں — جنوں کا جوش وحشت کا تماشہ ہم بھی دیکھینگے — جوش مظفرپوری

کہاں جائیں گھر چھوڑ کر اے جنوں — اسی کو بناتے ہیں میدان ہم — بے نظیر

ہاتھ دوڑائے جنوں نے پھر گریباں دیکھ کر — پاؤں پھر وحشت نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر — حقیر اکبرآبادی

تھی وہ مجنوں کے دم ہی تک رونق — خاک اڑتی ہے اب بیاباں میں — میر مجروح دہلوی

کوئی دن اور کرنے دو جنوں مجھکو بہاراں ہیں — عبث سیتے ہو اسکو کیا رہا ہے اب گریباں میں — یقین سرہندی

چمن میں مجھ سے دیوانے کو لے جانے کا کیا حاصل — دکھا کر گل جنوں کو شور برپا نے کا کیا حاصل — ؎

جزا و سزا

رہ گزر میں شیخ رسوا کر نہ بہر مے کشی — جو خطا پردے میں ہو اس کی سزا پردے میں ہو — نادر شاہجہانپوری

سو جان سے ہو جاؤں گا راضی میں سزا پر — پہلے وہ مجھے اپنا گنہ گار تو کر لیں — اکبر الہ آبادی

پرسش جو ان سے ظلم کی روز جزا ہوئی — اتنا ہی کہہ کے چھوٹ گئے وہ خطا ہوئی — داغ

ہوں لائق تعزیر یہ الزام ہے جھوٹا — مجرم تو ہوں بے شک پہ خطا اور ہی کچھ ہے — جوہر امیزری

غافل غضب سے ہو کے کرم پر نہ رکھ نظر — پر ہے شرار برق سے دامن سحاب کا — سودا

حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے — آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں — غالب

دشمنی کرنے کا پھل دشمن کو خود مل جائیگا — آنیوالا ایک دن اس کے لئے مشکل کا ہے — رضا

یہ رونا بے وفائی کا یہ شکوہ کج ادائی کا — سزا ہے دل لگانے کی سزا ہے آشنائی کا — امیر مینائی

جوش و خروش

طبیعت کوئی دن میں بھر جائیگی — چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی — داغ

نشۂ جوش جوانی کو خدا ہی سمجھے — آدمی راہ بھی چلتا ہے تو اندھا ہو کر — نامعلوم

جوش و خروش ساتھ جوانی کے چل دئے — وہ موسم بہار وہ دیوانہ پن کہاں — جوہر فرخ آباد

چھیڑ چھاڑ ۔ مذاق

ہم نے بھی اِن حسینوں کو چھیڑا ہے اس قدر — ریاض خیرآبادی
ایسا بھی کوئی ہے جو ہمیں کوستا نہ ہو

دل نہ مانا حضرتِ واعظ کو آتے دیکھ کر — ″
کچھ یوں ہی تھوڑی سی پی لی دل لگی کے واسطے

داورِ محشر کو بھائی میری اس کی چھیڑ چھاڑ — نامعلوم
چھیڑ کر پوچھا مکرر کیا ہوا ۔ کیوں کر ہوا

مجھ کو مزا ہے چھیڑ کا دل مانتا نہیں — داغ
گالی سُنے بغیر ستم گر کہے بغیر

حضرت زاہد ہماری چھیڑ کی عادت نہیں — ″
گدگدی ہوتی ہے دل میں پارسا کو دیکھ کر

سنا کرتے ہیں ۔ چھیڑ کر گالیاں ہم — ″
وگرنہ کوئی سر پھرا ہے کسی کا

جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں ان سے ہم کلام — ″
کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

کیا قہر ہو گیا ۔ جو کہیں ہاتھ چُھو گیا — بیخود دہلوی
یہ جرم پھر معاف بھی ہو گا کسی طرح

ہم سے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن — غالب
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذر مستی ایک دن

خیال اور کچھ اے رشکِ حور ہوتا ہے — نامعلوم
خطا معاف ہو مجھ سے قصور ہوتا ہے

کیا مدّ نظر تم کو ہے یاروں سے تو کہیئے — ذوق
گر منھ سے نہیں کہتے اشاروں سے تو کہیئے

عجیب لطف ہے کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ میں ہے — انشا
کہاں ملاپ میں وہ بات جو بگاڑ میں ہے

یہ چھیڑ ہر وقت کی اچھی نہیں یہ یاد رہے — داغ
کبھی کیسی ہے کبھی اپنی طبیعت کیسی

دلِ جلوں سے دل لگی اچھی نہیں — ریاض
رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں

کہو گے جو کچھ تو سنو گے بھی رند — رند
ہنسی میں تو شاہ و گدا ایک ہے

منھ موڑ کے جاتے ہو کہاں دیکھ تو لو تم — ہمدم اکبرآبادی
مرتا ہے کوئی عاشق دلگیر ۔ ادھر بھی

رونے پہ میرے وہ ہنسے رنج سے میرے شاد ہو — داغ
چھیڑ میں کچھ تو ہے مزا ورنہ کوئی ستائے کیوں

ہے چھیڑ اختلاط بھی غیروں کے سامنے — مومن
ہنسنے کے بدلے روئیں نہ کیوں گدگدی سے ہم

دیکھ کر کھنکارا مجھ کو اور دیا دشنام بھی — انشا
جب میں جھنجھلایا تو بولا واہ تیرا نام بھی

چالبازی عیّاری

نہ چلو بندہ سے ہر مرتبہ فقرہ دیکھو	اک ذرا ہوش سنبھالو۔ ابھی دنیا دیکھو	نامعلوم
گنو نہ آپ کو تم اتنے ہوشیاروں میں	ہزاروں دیکھے ہزاروں دکھائے بیٹھے ہیں	اشک بلند شہری
ہم کب آتے بھلا فریب میں ہیں	تم سے لاکھوں ہماری جیب میں ہیں	شوق لکھنوی
دیکھنا ٹک یاد ہیں ہم کو بھی کیا عیاریاں	تیری خاطر کرتے ہیں غیروں کی خاطر داریاں	جرأت
جو سویا بھی تو یوں سویا بتِ عیار پہلو میں	کہ رکھ کر شب کو تکیہ کھینچ لی دیوار پہلو میں	داغ
ہر چند داغ ایک ہی عیار ہے مگر	دشمن بھی تو چھٹے ہوئی سارے جہاں کے ہیں	"
صنم خانے سے بیخود کا اکھڑنا ہے بہت مشکل	بتوں کے ساتھ اس نے گانٹھ رکھا ہے برہمن کو	بیخود دہلوی
کر گئے چال قیامت کی قیامت میں یہ ہم	کر لیا غیر کو فریاد میں شامل اپنا	"
سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوّری	تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے	غالب
آپ کی ہر بات میں یہ بات ہے	چال ہے فقرہ ہے دم ہے گھات ہے	داغ
نہ جانا حضرت زاہد کے تسبیح و مصلّے پر	بڑے چلتے ہوئے حضرت ہیں ان کو ہم سمجھتے ہیں	قیصر دہلوی
محبّت بدلہ لینے دے تو بدلہ آج ہم لے لیں	تمہارے رال کا پٹی کا دھوکے کا بہانے کا	"
اُسے غیروں سے بھڑکاتے ہیں اپنا رام کرتے ہیں	کسی کے کام سے کیا کام اپنا کام کرتے ہیں	نامعلوم
دُھر امکاں بنایا ہے رہنے کو یار نے	جب میں گیا ادھر۔ وہ اُدھر سے نکل گیا	"
دم گھات فسونسازی فند چال دغا بازی	اور اس کے سوا تم کو آیا نہ ہُنر کوئی	نسیم عظیم آبادی
کہہ گئے ہیں کہ ذرا بیٹھئے ہم آتے ہیں	چال دیکھو وہ گئے ہیں۔ دم رخصت کیسی	دانش
دھوکے سے بُلا کر جو ملا تھا۔ تو وہ اب تک	جب ملتے ہیں کہتے ہیں دغا باز کہیں کا	مضطر خیر آبادی
فریبوں میں کب تیرے آتا ہوں ظالم	فریبی جو ہے تو تو عیّار میں ہوں	نامعلوم
آپ ہی خلوت میں کاٹیں اپنے بھائی کا گلا	آپ ہی پھر بیٹھ کر احباب میں ماتم کریں	ناصر دہلوی

حسرت یاس بیکسی

(دیکھئے مایوسی قید قفس حصہ سوم)

وحشی شاہجہانپوری
خندہ زن ہے تپِ اُلفت جو دوا کرتے ہیں
مسکراتی ہے مشیت جو دعا کرتے ہیں

برق سکندرآبادی
کیا کیا اُڑی ہیں جیبِ گریباں کی دھجیاں
ہاتھوں سے جبکہ یار کا دامن نکل گیا

گستاخ رامپوری
خوش ہوا تھا توڑ کر اپنے قفس کی تیلیاں
ہائے کہہ کر رہ گیا ٹوٹے ہوئے پر دیکھ کر

اسیر لکھنوی
باقی ابھی ہے ترکِ تمنا کی آرزو
کیونکر کہوں کہ کوئی تمنا نہیں مجھے

داغ
ہائے کس وقت ہوئیں دونوں مرادیں پوری
یار بالیں پہ جب آیا تو قضا بھی آئی

ذوق
گُل بھلا کچھ تو بہاریں اے صبا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

غالب
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

امیر مینائی
بہارِ لالہ و گل پھر کبھی کاہے کو دیکھیں گے
چلے ہیں اس چمن سے ہم نگاہِ واپسیں ہو کر

داغ
تمنا دل کی اے پیرِ فلک کچھ تو نکلنے دے
ارے ظالم نہ آئیں گے کبھی ہم پھر جواں ہو کر

جلیل
ہائے کیا حسرت کدہ تھا دل ہمارا اے جلیل
ہو گیا دو روز میں آباد بھی برباد بھی

شہیدی
وہ کب خاطر میں لاتا ہے مرے آزردہ ہونے کو
سمجھ رکھا ہے ظالم نے پھنسا دل کب نکلتا ہے

نواب والی رامپور
عجب حسرت سے دیکھا تھا دمِ آخر سوئے جاناں
رہے گی یاد اس کو بھی نگاہِ واپسیں برسوں

داغ
حسرت آتی ہے دلِ ناکام پر
اس کو دے ڈالوں خدا کے نام پر

تجلی دہلوی
جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی
ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوئی

غالب
کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کُھلا
کاش کے ہوتا قفس کا در کھلا

جوہر امروہوی
طاقتِ پرواز ہی جب کھو چکے
پھر ہوا کیا۔ گر ہوئے بھی پر کھلے

قوی امروہوی
میں بھی قائل تیرا ہو جاؤں ابھی اے دورِ چرخ
میری راتوں سے بدل دے تو اگر دشمن کے دن

الم
ہوئی آہ فراق میں عمر بسر کبھی شربتِ وصل پیا ہی نہیں
رہی سالہا بارشِ چشم مگر گلِ باغِ مراد کھلا ہی نہیں

نامعلوم
حسرتیں پیٹتی جائیں گی مرے لاشے پر
ہاتھ ملتا ہوا آگے مرے ارماں ہوگا

جوشِ گُل چاکِ قفس سے دم بدم دیکھا کئے
سب نے یاں لُوٹیں بہاریں اور ہم دیکھا کئے
جرأت

کیوں ٹپکتی ہے آنکھ سے حسرت
شیشۂ دل میں بال ہے شاید
ناز دہلی خیرپور

رخصت اے باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن
جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائیگا
نامعلوم

خزاں کے روز تو رو رو کے چمن میں کاٹے
پھنسے قفس میں جو اب موسم بہار آیا
صابر شاہجہانپوری

کس سے درد اپنا کہیں کون ہے غمخواروں میں
ایک دل وہ بھی انہیں کے ہے طرفداروں میں
جلال لکھنوی

عشرت کدے جہاں میں ہوئے سینکڑوں ولے
اک دل ہمارا تھا کہ وہ ماتم سرا رہا
مرزا رجب علی بیگ سرور

کبھی یہ دل تماشاگاہ تھا عیش و مسرت کا
اب اس میں حسرت و یاس و تمنا سیر کرتے ہیں
نامعلوم

ایک ہم خار تھے آنکھوں میں سبھی کے سو چلے
بلبلو خوش رہو تم اس گل و گلزار کے ساتھ
قائم چاندپوری

یارب دعائے وصل نہ ہرگز قبول ہو
پھر دل میں کیا رہے گا جو حسرت نکل گئی

حنا۔ مہندی

وہ جان بوجھ کے مہندی لگائے بیٹھے ہیں
بہانہ باز بہانہ بنائے بیٹھے ہیں
اشک بلندشہری

بتاؤ کیا کرو ایسے میں چھیڑیں ہم اگر تم کو
لگائے مہندی تم بیٹھے تو ہو بے دست و پا ہو کر
ریاض

ہم تو پابوسئ جاناں کو پھرا کرتے ہیں سدا
اور مہندی کے مزے روز اُڑا کرتے ہیں
احمد

داڑھی پہ بھی واعظ کے ہے تلوؤں پہ بھی اُنکے
چالاک مرے ہاتھوں کی صورت ہے حنا بھی
اکبر الہ آبادی

صاف انکار ہے آنے کا بہانہ کیسا
رنگ لائے ہیں وہ مہندی کا لگانا کیسا
مجنوں ناٹری

بڑھتا رہا بدن میں مرے دم بدم لہو
سینے پہ تھا وہ دستِ حنائی تمام رات
ناظم

کٹی کچلی گئی پسکر چھنی بھیگی گندھی مہندی
جب اتنے دکھ سہے تب ان کے قدموں سے لگی مہندی
انشا

چُرا کے مٹھی میں دل کو چھپائے بیٹھے ہیں
بہانہ یہ ہے کہ مہندی لگائے بیٹھے ہیں
قیصر

ہوا ہی شوقِ آرائش جو پابندِ حنا تم ہو
یہی موقع ہے ہاتھا پائی کا بیدست و پا تم ہو
نامعلوم

بانکی ادا سے قتل انھوں نے کیا ہمیں
مہندی لگا کے پاؤں میں پنجوں کے بل چلے
آتش

حوصلہ۔ ہمت

ذوق
آدمیت سے ہے بالا، آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

"
پھرتا ہے سیلِ حوادث سے کہیں مردوں کا مُنھ
شیر سیدھا تیرتا ہے وقتِ رفتن آب میں

عظیم
گرتے ہیں شہ سوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گریگا جو گھٹنوں کے بَل چلے

نامعلوم
ہمّت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا
وہ کونسا عقدہ ہے جو وَا ہو نہیں سکتا

آتش
سر شمع ساں کٹائیے پر دم نہ ماریئے
منزل ہزار سخت ہو ہمت نہ ہاریئے

"
کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے
سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے

جوہر منشی
جواہر سنگھ
جوہر رامپوری
غیب سے جو ہر مدد ہوتی ہے ہمت چاہیئے
مستعد رہیئے مقدر آزمانے کے لئے

خاک جینا ہے اگر موت سے ڈرنا ہے یہی
ہوسِ زیست ہو اس درجہ تو مرنا ہے یہی

بینظیر وارثی
لڑے یا نہ اپنا مقدر لڑے
لڑا دیں گے ظالم مگر جان ہم

چکبست لکھنوی
مصیبت میں بشر کے جوہرِ مردانہ کُھلتے ہیں
مبارک بُزدلوں کو گردشِ قسمت سے ڈر جانا

نامعلوم
نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا۔

شاہ ظفر
اور کے بَل پہ بَل نہ کر اتنا نہ چل نکل
بَل ہے تو بَل کے بَل پہ تو کچھ اپنے بَل کے چل

رند
زیرِ قدم ہے منزلِ مقصود اپنے رند
ہمت سے تو قریب ہے گو راہ دور ہے

داغ
وصل سے یاس ہو ایسا دلِ مہجور نہیں
بُت اگر دور ہے مجھ سے تو خدا دُور نہیں

ماہی دہلوی
اتنا بھی رکھئے حوصلہ فوارہ ساں نہ تنگ
چُلّو ہی بھر جو پانی ہیں گز بھر اچھل چلے

نامعلوم
ہم مرد توانا ہیں۔ کوئی ہیز نہیں ہیں
سِل بٹے سے پس جائیں وہ کشنیز نہیں ہیں

حامد لکھنوی
کوہ بھی ہو تو ٹلے اپنی جگہ سے مثلِ کاہ
ہمّت مردانہ کے آگے کوئی مشکل کہاں

داغ
حوصلہ چاہیئے انسان کو جو پائے عروج
پست ہمّت کو بلندی بھی جو ہے پستی ہے

نامعلوم
گوہرِ مقصود خود ملتا ہے ہمت شرط ہے
مضطرب رہتا ہے ہر موتی اُبھرنے کیلئے

جو بڑھے گا حوصلہ اس کا بڑھایا جائیگا | جو گریگا اس کو ہستی سے گرایا جائے گا | نامعلوم

خوشی سے مشکلوں کا سامنا کر منہ نہ پھیرا دل | ترے عقدوں کو حل تیرا یہی اوسان کر دیگا | شاد

رباعی

ہونا کیا دست و پا کی طاقت سے ہے | حاصل کیا ظاہری وجاہت سے ہے | نامعلوم
اے مور ضعیف اپنی ہمت کو نہ چھوڑ | جو کچھ دنیا میں ہے وہ ہمت سے ہے

حسن و جمال

دیکھ لے نقشہ اگر اُس عالم تصویر کا | تُو تو کیا زاہد دل آئے اس پہ تیرے پیر کا | خاص دہلوی

بے معنی ہے وہ عشق کہ جس میں کشش نہیں | دلچسپ ہو نہ حُسن تو صورت حرام ہے | آتش

وہ حسن کیا ہے حُسن جو خاطر نشین نہ ہو | کس کام کا وہ نام جو نقش نگیں نہ ہو | امیر

تمہارا حُسن حُسنِ ماہِ انور سے دو بالا ہے | یہ کوئی حُسن میں ہے حُسن جو بڑھتا ہو گھٹتا ہو | قیصر

حُسن سے بہتر نہیں جادو کوئی | حُسن سے بڑھ کر کوئی افسوں نہیں | چونچ مظفرنگری

دیکھ راضی ذرا تاثیر عکس گل عذار | تیل میں منہ اس نے دیکھا روغن گل ہو گیا | راضی

حُسن انساں سے فرشتوں نے بھی جھانکے ہیں کوئیں | آفتیں ڈھاتا ہے یہ خاک کا پتلا کیا کیا | نامعلوم

الٰہی کیسی کیسی صورتیں تو نے بنائی ہیں | کہ ہر صورت کلیجہ سے لگا لینے کے قابل ہے | اکبر میرٹھی

ایک عالم کر دیا برباد جس کے حسن نے | نقش ایسا کھینچتا تھا صانع ایجاد کیا | عیشی

یہ حسن ہی سے ہے عشق پیدا یہ عشق ہی سے مصیبتیں ہیں | جو یہ نہ ہوتا تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا | اکبر الہ آبادی

گر حسن نہیں عشق بھی پیدا نہیں ہوتا | بلبل گل تصویر پہ شیدا نہیں ہوتا | نامعلوم

یہ ثابت کر دیا تجھ کو بنا کے دستِ قدرت نے | کہ ہو سکتی ہیں اتنی خوبیاں صورت میں انساں کی | ر

مہِ کامل کو اب کے ماہ میں ہم کو چھپانا ہے | ضرورت تو نہیں لیکن ذرا تم بھی سنور جانا | جگر لکھنوی

حُسن کی بارگاہ میں رکھئے قدم سنبھال کر | یہ وہ مقام ہے جہاں خواہشِ دل حرام ہے | نامعلوم

حُسن کا انصاف ہے اہل نظر کے سامنے | آج لے بیٹھے ہیں اُن کو ہم قمر کے سامنے | تسلیم

حالِ دل داستانِ غم

کیونکر نہ ہنسیں سن کر حالِ دلِ عاشق کو
کم سن ہیں وہ کیا جانیں ارماں کسے کہتے ہیں
صبا لکھنوی

زلفوں کا عشق کیوں کر ان سے بیاں کرونگا
حالِ دلِ پریشاں گونگے کا خواب ہوگا
"

یہ احوالِ دل مر گیا کہتے کہتے
تھکے تم نہ بس بس سنا کہتے کہتے
مومن

کچھ بلبلوں کو یاد ہے کچھ قمریوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں
جمیل سہوانی

دردِ دل دور سے ہم اُن کو سنائیں کیونکر
ڈاک میں بھیجیں آہوں کی صدائیں کیونکر
نامعلوم

قصۂ ہجر سنانے کی اجازت مل جائے
دیکھئے پھر میں سناتا ہوں یہ فرز کیسا
قیصر دہلوی

دردِ دل اول تو وہ عاشق کا سنتے ہی نہیں
اور جو سنتے ہیں تو سنتے ہیں فسانے کی طرح
امیر مینائی

سنایا حالِ دل ان کو تو یوں منہ پھیر کر بولے
کسی نے منہ لگایا چھیڑ بیٹھے داستاں دل کی
رسا

افسانہ گو نے اور بھی بے خواب کر دیا
ظالم سنا رہا ہے مری داستاں مجھے
تسلیم

دیکھ او قاتل بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم
چارہ گر سے درد نالاں درد سے دل دل سے ہم
نسیم

فرصت جو پائے کہئے کبھی دردِ دل سو ہائے
وہ بدگماں کہے ہے کہ ہم کو یقیں نہیں
جرات

تڑپ جاؤ گے میرا قصۂ غم سن نہیں سکتے
ہر اک فقرہ ہے نشتر دکھ بھری میری کہانی ہے
مفتوں دہلوی

قلم کے ہے حوالے یک قلم احوالِ دل اپنا
زبانِ خامہ سے ہم شکوۂ بیداد کرتے ہیں
ذاکر دہلوی

سناؤں حال کیا اے نظم جو صدمے گزرتے ہیں
کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری
نظم

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہئے
تم ہی کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہئے
غالب

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
ظاہر ہے ترا حال سب ان پر کہے بغیر
"

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
"

آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر ان سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں
"

وصال ہو یا ہے جدائی حضور کی اس میں جیسی مرضی
جو اپنی حالت تھی میں نے کہہ دی اب آگے مری جو حال کیا ہے
جلیل

نالۂ بلبل، درد میں حاصل بیاں سے کیا ۔ دل تو پکارتا ہے کہوں میں زباں سے کیا ۔ جلال لکھنوی

دے رہی ہے جواب گویائی ۔ کوئی پرسانِ حال ہے شاید ۔ ناز دہلوی خیرپور سندھ

دل میں ہیں درد و غم کے فسانے بھرے ہوئے ۔ برسوں سناؤں گر کوئی درد آشنا ملے ۔ برق دہلوی

مصیبت کا احوال ہر اک سے کہنا ۔ مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ ۔ نامعلوم

سنتے ہیں آپ سارے زمانہ کا دردِ دل ۔ کہیئے تو میں بھی قصہ سوزِ جگر کہوں ۔ ؍؍

سو گیا بے درد سن کر داستانِ دردِ دل ۔ میں نے یہ جانا کہ محوِ لذتِ تقریر ہے ۔ سلیم کانپوری

دردِ دل کہتا ہوں رو رو کر خدا کے سامنے ۔ شرحِ حال آشنا ہے آشنا کے سامنے ۔ آباد عظیم آبادی

یہ کیا ستم ہے ہم کہیں رو رو کے حالِ دل ۔ منہ پھیر پھیر کے وہ اُدھر بے وفا ہنسے ۔ شاہ ظفر

عدو کو ساتھ لے کر سنتے ہو تم داستاں میری ۔ نہیں ہوتا ادا مطلب نہیں کھلتی زباں میری ۔ نامعلوم

شمعِ اخیرِ شب ہوں سن سرگزشت میری ۔ پھر صبح تک تو پیارے قصہ ہی مختصر ہے ۔ ؍؍

افسانۂ غم ان کو سناؤں نہ سناؤں ۔ ڈرتا ہوں کہ وہ خواب میں ڈر ڈر کے اٹھیں گے ۔ داغ

آ نکلے ہو تو تم بھی کچھ دل کا حال سن لو ۔ گزرا ہے جو ادھر سے کچھ دیر رو گیا ہے

حیرت استعجاب

اُلٹے پیامِ وصل خود اُن کی زباں کے ہیں ۔ حیراں ہوں ایسے دوست وہ میرے کہاں کے ۔ ریاض خیرآبادی

بے درد ہیں جو درد کسی کا نہیں رکھتے ۔ ایسے بھی ہیں یارب کہ تمنا نہیں رکھتے ۔ داغ

کس پہ مرتے ہو آپ پوچھتے ہیں ۔ مجھ کو فکرِ جواب نے مارا ۔ مومن

حیرت زدہ میں دیکھوں ہوں یوں اس کی بزم میں ۔ تصویر جیسے دیکھے ہے تصویر کی طرف ۔ عاشق دہلوی

ہٹاتے ہیں جو وہ ہم کو تو اپنا کام کرتے ہیں ۔ ہمیں حیرت تو اُن پر ہے جو اس ٹلنے پر مرتے ہیں ۔ اکبر الٰہ آبادی

کیا جانے اس میں کیا ہے کہ لوٹے ہے آئینہ جی ۔ یوں اور کیا جہان میں کوئی حسیں نہیں ۔ جرات

خود بینیوں سے پوچھ کہ حیرت نے کس لئے ۔ آئینہ کر دیا ہے ترے روبرو مجھے ۔ قوی امروہوی

حیا۔ حجاب۔ شرم

بیخود دہلوی
منھ پھیر کر وہ کہتے ہیں بس مان جائیے
اِس شرم۔ اِس لحاظ کے قربان جائیے

آزاد
دل میں تم آنکھوں میں تم چھپتے ہو پھر کس واسطے
تم کو شرم آتی نہیں عاشق سے شرماتے ہوئے

نظام
دینا کسی کا ساغرِ مے یاد ہے نظام
منھ پھیر کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

رند
شرم بے جا ہے۔ بُرا کرتے ہو
اچھی صورت کو چھپایا نہ کرو

اکبر الٰہ آبادی
قرار نہیں ہے ذرا بھی مجھے یہ کیسی حیا کہو تو صنم
اُٹھو بھی بس اب کہ وہ غضب گذر گئی شب خدا کی قسم

شاکر میرٹھی
نہ شرماؤ آکر مرے دل میں بیٹھو
یہاں سے بھی کیا سامنا ہے کسی کا

اکبر الٰہ آبادی
جس کو خدا سے شرم ہے وہ ہے بزرگِ دیں
دُنیا کی جس کو شرم ہے مردِ شریف ہے

نظم
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں
فطرت میں وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

نامعلوم
مِلے کیا کوئی اس پردہ نشیں سے
چھپائے منھ جو صورت آفریں سے

امیر لکھنوی
مِلا کر خاک میں بھی ہائے شرم ان کی نہیں جاتی
نگہ نیچی کیے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں

ریاض
اللہ حُسن دے تو حیا بھی ضرور دے
کس کام کی وہ آنکھ کہ جس میں حیا نہ ہو

دلسوز شہزنی
دکھا کر منھ چھپا لینا حیا اس کو نہیں کہتے
لگا کر دل ہٹا لینا وفا اسکو نہیں کہتے

"
یوں تو ہر روز سرِ بام نظارے مارے
آج پہلو میں جو آئے تو حیا بھی آئی

غالب
غیر کو یارب وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

داغ
انہیں سے پھر آخر کو کھل کھیلتے ہیں
وہ کرتے ہیں جن سے حجاب اوّل اوّل

نامعلوم
شوق کا عالم مرے دیکھا نہیں تو نے ہنوز
بے حیا تجھ کو حیا کا امتحاں ہو جائے گا

شہیدی
چاندنی میں شرم سے ہوتا نہیں وہ ہمکنار
وصل کی شب ہو گئی سدِ سکندر چاندنی

آتش
ان انکھڑیوں میں اگر نشۂ شراب آیا
سلام جُھک کے کرونگا جو پھر حجاب آیا

خوشتر منگرولی
اِس اندازِ حیا سے اور چوری کُھل گئی دل کی
کہا تھا کس نے تم سے جھینپ کر ترچھی نظر کر لو

خاموشی

بُت بنے بیٹھے ہیں بُت جی مرا گھبراتا ہے — اُٹھ کے کعبہ کو چلا جاؤں گا بُت خانے سے — امیر مینائی

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے منھ سے کچھ نہ بول — آنکھ آئینہ کی پیدا کر دہن تصویر کا — ،،

بیٹھے ہو بُت بنے ہوئے ہوں ہے نہ ہاں ہے آج — تم ہو کہاں خیال تمہارا کہاں ہے آج — نصیر دہلوی

چُپ ہیں سوالِ وصل پہ گویا زباں نہیں — بُت بن گئے جب آپ تو پتھر سے کیا کہیں — رونق

بیٹھے ہیں چپ کچھ آپ کا اس میں ضرر نہیں — نالہ نہیں فغاں نہیں کچھ شور و شر نہیں — عسکری کالپی

حیرت سے یہ ادھر وہ اُدھر تمکنت سے چپ — تصویر جیسے دیکھے ہے تصویر کی طرف — نامعلوم

کہے ایک سُن لے جب انسان دو — کہ حق نے زباں ایک دی کان دو — ذوق

نہ ہوتی گر زبانِ شمع تو گل گیر کیا کرتا — نہ ہوتی گر زبانِ خامہ قط زن کیوں رہا کرتا — طالب بنارسی

کھلے گا رازِ الفت گر یہ چپ رہنے کے چرچے ہیں — کرے گی مجھ کو رسوا میری خاموشی بیاں ہو کر — وزیر

بُت بن کے تم آبیٹھے خاموش چلے اُٹھ کر — کچھ بات تو کی ہوتی کچھ حال سُنا ہوتا — نامعلوم

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں — واں ایک خامشی مرے سب کے جواب میں — ذوق

خاموشیوں سے اور کچھ آزار ہو نہ جائے — ڈرتا ہوں سلب قوتِ گفتار ہو نہ جائے — نامعلوم

خموشی دیکھ کر دل زندگی سے ہٹ گیا ہوتا — اگر تم ہنس نہ دیتے تو کلیجہ پھٹ گیا ہوتا — ،،

شکلِ تصویر ہو خاموش تماشا کیا ہے؟ — بیٹھے بیٹھے جو کھچے جاتے ہو نقشہ کیا ہے — ،،

خموشی سے ہمیشہ آبرو عزت بشر پائے — کرے جب حبس دم غوّاص دریا میں گہر پائے — طالب بنارسی

میرے نالے سے بھی مطلب نہیں ہوتا ظاہر — ترے چُپ رہنے میں اندازِ بیاں ہوتا ہے — داغ

جب تک نہ چھیڑ چھاڑ ہو آپس میں کیا مزا — چپ بیٹھنا حضور کا فرقت سے کم نہیں — ،،

باطن میں اُبھر کر ضبطِ فغاں نے اپنی نظر سے کارِ زباں — دل میں جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر — اکبر الٰہ آبادی

خامشی عرضِ حال ہے شاید — میری صورت سوال ہے شاید — نازو والی خیرپور سندھ

خاکساری انکساری عجز

اکبر الہ آبادی
انسان فقط عجز و دعا ہی کے لیئے ہے
جو عزت و عظمت ہے خدا ہی کے لئے ہے

"
زمین کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اسکو ڈھانکا آسماں ہو کر

نامعلوم
کر عجز اگر عاقل و فرزانہ ہے
دانائی پہ بھولا ہے تو دیوانہ ہے

داغ
دشمنوں سے دوستی غیروں سے یاری چاہیئے
خاک کے پتلے بنے تو خاکساری چاہیئے

امیر
خاکساری کر جو ہو منظور آنکھوں میں جگہ
خاک ہو کر سرمہ بن جاتا ہے پتھر طور کا

"
جو سمجھے کہ میں ہوں زمانہ سے چھوٹا
وہی فی الحقیقت بڑا آدمی ہے

نامعلوم
خاکساری سے نہیں بہتر جہاں میں منعمی
مل گئی جس کو یہ دولت کیمیاگر ہو گیا

آتش
محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو
جھکاتی ہے ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو

نامعلوم
خاکساری کو نہ بھولے دی خدا جسکو عروج
آسماں پر ماہِ تاباں ہے زمیں پر چاندنی

حبیب لکھنوی
نہیں جھکتا کوئی اس سے جھکے جب تک نہ خود انساں
رکوع و سجدہ سکھلاتا ہے خم محرابِ طاعت کا

حشر سواری
خاکساروں کو سدا پھولتے پھلتے دیکھا
دانہ سرسبز ہوا خاک میں پنہاں ہو کر

نامعلوم
مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

محمود لکھنوی
خاکساری پیشہ کو گر چاہیئے روشندلی
آئینہ پر خاک ملتے ہیں صفا کے واسطے

لطف اکبرآبادی
غبار بیکسی سے کیا ضرر پاکیزہ جوہر کو
کہ بخشے ہے جلا گرد یتیمی آب گوہر کو

مفتون دہلوی
مٹی کا پتلا مٹی میں ملنا ضرور ہے
ہرگز نہ خاکساروں سے دامن کشاں رہے

"
حسین تو کیا کوئی بے التجا نہیں ملتا
بغیر عجز قسم ہے خدا نہیں ملتا

شاہ ظفر
پاک شے کچھ اور ہی ہیں قطرۂ ناپاک ہوں
بولتا کیا جانے کیا ہی بس تو مشتِ خاک ہوں

نامعلوم
خاکِ پستی سے اگر دامن ترا ہمدم نہیں
یہ بڑائی کا نشاں اک نیر اعظم نہیں

ستم
درد مندوں سے نہ پوچھو کہ کدھر بیٹھ گئے
تیری محفل میں غنیمت ہے جدھر بیٹھ گئے

اگر گرتی ہے بجلی بھی تو اونچے آشیانوں پر ۔ بلا ئیگا فلک کیا خاک ہیں ہم خاکساروں کو — ظہیر دہلوی

فروغِ بخشِ نظر ہوں نہ زیبِ کاشانہ ۔ فضائے دہر میں یا رب شمعِ سرِ مزار ہوں میں — میر مجروح

نہ خریدار کا حصہ ہوں ۔ نہ حق بائع کا ۔ میں وہ دانہ ہوں جو گر جائے کفِ میزاں سے — غالب

نہ ستم ہیں نہ عداوت ہیں نہ کینہ نہ غبار ۔ دل میں ہم مردمِ دنیا کے سمائیں کیونکر — ″

بہ نرمی سخت گیروں میں کٹی رطب اللساں ہو کر ۔ بسر کی عمر بھر بتیس دانتوں میں زباں ہو کر — شاد لکھنوی

زبان کھولینگے مجھ پر بدزباں کیا بدشعاری سے ۔ کہ میں نے خاک بھر دی ان کے منھ میں خاکساری سے — ذوق

کہتے ہیں راہِ حق میں شرف کی کمی نہیں ۔ اِس راہ میں جو خاک نہو آدمی نہیں — نامعلوم

خاکساری پر نہ کر موذی کی ہرگز اعتبار ۔ جونک مٹی میں ملے تو بھی لہو پیتی رہے — ذکی

خودی خودبینی خودستائی (دیکھئے غرور و نخوت حصۂ سوم)

کہتے ہو یاں کہ ہم سا کوئی مہ جبیں نہیں ۔ پیارے جو ہم سے پوچھو تو یاں کیا کہیں نہیں — نیر اکبرآبادی

وہ صبح کو اُٹھتے ہی ملا لیتے ہیں صورت ۔ آئینہ بھی رہتا ہے ۔ برابر گلِ تر بھی — داغ

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں ۔ اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے — ″

وہ خود فروش آگیا بارے چمن میں کل ۔ بوئے خودی نکل گئی گل کے دماغ سے — لطف استرآبادی

دیکھ کر آئینہ کو عکس سے کہتا ہے وہ شوخ ۔ کچھ اگر حُسن کا دعویٰ ہے تو باہر آؤ — امیر

یارب دلوں کی خیر وہ کہتا ہے دلفریب ۔ دیکھیں تو کوئی دیکھے ہمیں اور نہ آئے دل — نامعلوم

داغ لگ جاتا ہے خودبینی سے اہلِ فقر کو ۔ موجبِ تہمت ہے دستِ بیوہ زن میں آئینہ — شہیدی

نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا ۔ تو اک نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرار ہوگا — اکبر الہ آبادی

ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا ۔ سچ پوچھئے تو اُس کو خدا پر یقیں نہیں — ″

نہوتی گر خودی ہم میں تو جز تو تھا وہی ہم تھے ۔ یہ پردہ کس لئے ڈالا ہے یارب درمیاں تو نے — نامعلوم

موت نے کر دیا ناچار وگرنہ انساں ۔ ہے وہ خودبیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا — ذوق

خط وکتابت (دیکھیے پیغامبر قاصد حصہ اول)

جلال	خط کسی کا جب سے آیا ہی بس ہوں اس شغل میں	گاہ پڑھنے کو اٹھایا گاہ پڑھ کر رکھ دیا
ارشد	صدقے جاؤں میں تری اس ناز کے انداز کے	میرا خط دیکھا اٹھایا مسکرا کر۔ رکھ دیا
مومن	حالِ دل یار کو لکھوں کیوں کر	ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
نامعلوم	دیکھ کر ہوتی ہے تسکین وہ پیارا خط ہے	نسخۂ دردِ جگر ہے کہ تمہارا خط ہے
مست بنارسی	نہیں بھولتا مست کہنا کسی کا	ہمیں روز اک خط لکھا کیجیے گا
نامعلوم	خط کتابت کی سدا رسم کو جاری رکھنا	بھول جانا نہ ہمیں یاد ہماری رکھنا
جلال لکھنوی	بھیجا خط کا تھا پیغامِ اجل	انتظارِ جواب نے مارا
تجمل فیض آبادی	شوق کے معنی یہ ہیں گو وہ نہیں لکھتا جواب	خط ہزاروں جا چکے پھر نامہ بر جانے کو ہے
غالب	خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو	ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
اکبر الہ آبادی	وہ کبھی مجھ کو جوابِ نامہ لکھتا ہی نہیں	جب گلہ کرتا ہوں کہہ دیتا ہے پہنچا ہی نہیں
نامعلوم	ہوئی کس جرم سے مجھ پر یہ عنایت موقوف	کیا خطا دیکھی جو کی خط و کتابت موقوف
"	خط کا جواب تک بھی نہ میر دیا جناب	ایسا قصور کونسا مجھ سے ہوا جناب
داغ (قطعہ)	خط اُن کا بہت خوب عبارت بہت اچھی	اللہ کرے حسنِ رقم اور بھی زیادہ
	قاصد مگر اغیار کا لکھا ہے جہاں حال	پاتا ہوں وہاں زورِ قلم اور بھی زیادہ
"	لکھتا ہوا چلا ہوں خطِ شوق راہ میں	چلتے ہیں میرے پاؤں برابر قلم کے ساتھ
رمز دہلوی	اُس شوخ کو میں نامہ میں القاب کیا لکھوں	مشفق نہیں شفیق نہیں۔ مہرباں نہیں
بینظیر وارثی	وہ برہم ہیں کیا جانے کیا لکھ گئے ہم	انہیں حالتِ دل رقم کرتے کرتے
نامعلوم	ہر دم یہی دعا ہے خدا کی جناب میں	آ جائے یار خود مرے خط کے جواب میں
راسخ	برسوں سے کان میں ہے قلم اس امید پر	لکھوائیں مجھ سے خط مرے خط کے جواب میں

مشفق لکھوں شفیق لکھوں، دل ربا لکھوں	حیرت میں ہوں کہ آپ کو القاب کیا لکھوں	نامعلوم
خط میں لکھا ہے یار نے مجھ کو سلامِ شوق	قاصد مری طرف سے بھی کہیو پیامِ شوق	اسیر لکھنوی
دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش	وہ ہی خط اُس نے بھیج دیا کیوں جواب میں	مومن
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں	میں جانتا ہوں وہ جو لکھیں گے جواب میں	غالب
دیکھیں تو کس طرح انہیں ہوتا نہیں اثر	لو آج نامہ لکھتے ہیں خونِ جگر سے ہم	نامعلوم
پاؤں کہاں سراغ کہاں جستجو کروں	ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسید کا	"
بدخط بتا کے کر دیا اُس سبز خط نے چاک	خط کی خطا نہیں۔ مرا لکھا خراب ہے	اکبر میرٹھی
اضطراب اے دلِ مضطر تجھے ایسا کیا ہے	پہلے خط تو مجھے پڑھنے دے کہ لکھا کیا ہے	وصفی
اس کو بھی ہم ہزار سمجھتے ہیں مغتنم	آتے ہیں اُس کے خط جو شکایت بھرے ہوئے	شفق
جوابِ نامہ لکھنے سے یہ ہوا ثابت	ارادہ رکھتے ہیں شاید وہ آپ آنے کا	نامعلوم
نامہ بر کچھ تو زبانی بھی تو کہنا ان سے	میرا مطلب ہے بہت اور ہے تھوڑا کاغذ	"
پُرزے اڑا کے خط کے یہ اک پُرزہ لکھ دیا	لو اپنے ایک خط کے یہ سو خط جواب میں	بسمل دہلوی
لکھنے کو تو لکھا ہے کچھ خط میں آج مطلب	وہ بھی مٹا مٹا کے دو حرف آرزو کے	نامعلوم

خرامِ ناز

کیا خرامِ ناز نے محشر کا ساماں کر دیا	جان دی مُردوں کو اور زندوں کو بے جاں کر دیا	بسمل
چلنا وہ جھوم جھوم کے سینہ اُبھار کر	انداز ہائے رے تری مستانہ چال کے	جنوں بریلوی
میں نے کہا جو اس سے ٹھکرا کے چل نہ ظالم	حیرت میں آ کے بولا کیا آپ جی رہے ہیں	اکبر الہ آبادی
اور چل پھر لے ذرا تن تن کے اے بانکے جوان	چار دن کے بعد پھر ٹیڑھی کمر ہو جائیگی	نامعلوم
قربان جاؤں آپ کی اس چال ڈھال کے	رکھ دوں قدم قدم پہ کلیجہ نکال کے	"
ابھی کفن مُردے پھاڑ ڈالیں ابھی مزار سے نکل آئیں	ابھی جو ٹھوکر کی چال چالیں ذرا قیامت بپا کریں گے	قدر بلگرامی

خدا اپنے گدھوں کو خشکہ کھلاتا ہے

رند
دیکھیے جس بے ہنر کو آج بالا بال ہے
تھا غلط مشہور، دولت بے ہنر ملتی نہیں

امیر مینائی
پھول لیں وہ بلبلیں منقار ہیں
تنکے جو چنتی پھریں گلزار میں

راضی اکبر آبادی
آرام سے جاہل کی گذرتی ہے ہمیشہ
عاقل کو یہاں ایک دم آرام نہیں ہے

نامعلوم
پہلوئے حور میں لنگور خدا کی قدرت
زاغ کی چونچ میں انگور خدا کی قدرت

ذوق
بد خصلتوں کو کرتا ہے بالا نشیں فلک
اونچی ہے آشیانہ زاغ و زغن کی شاخ

میر انیس
زمیں پہ پاؤں نہیں رکھتے ہیں فارغ دماغ
خدا نے اوج دیا ہے گا یہ کمینوں کو

ناسخ
ہاتھ آتی ہے کب علم ہنر سے دولت
ملتی ہے قضا اور قدر سے دولت

رباعی
جو علم و ہنر رکھتے ہیں وہ ہیں محروم
مانوس ہے بل احمق و خر سے دولت

ہوا ثابت جو دیکھا اژدہا و گنج کو باہم
جو موذی ہیں ہمیشہ ان کے قبضہ میں خزانہ ہے

نامعلوم
تماشہ خوب ہی دیکھا تری قدرت نمائی کا
چھپر کھٹ پاگیا ہے سونے والا چارپائی کا

دوشالہ اوڑھتا ہے اوڑھنے والا رضائی کا
پکاتا ہے خیال خام لونڈا نان بائی کا

شہانا ٹھاٹھ باندھا ہے چلن بھولا گدائی کا
بگڑ بیٹھا ر ذالہ۔ دم لگا بھرنے خدائی کا

خدا کی دین شانِ رزاقی و کریمی

مفتوں
واہ کیا شانِ کریمی ہے یہ اللہ و غنی
اُٹھتا ہے دستِ کرم دستِ دعا سے پہلے

ہمیں سے ہو نہیں سکتا ادا سپاسِ کرم
در کریم ہے ملنے کو کیا نہیں ملتا

نامعلوم
پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

طور لکھنوی
آسیا کہتی ہے ہر صبح باوازِ بلند
رزق سے بھرتا ہے رزاق دہن تنکے کے

نہ تھا میں جن کے لائق تو نے وہ وہ نعمتیں بخشیں	علم دستِ کرم تیرا اسیر تسلیم خم میرا	بیخود دہلوی
خدا مومن کی صورت رزق کافر کو بھی دیتا ہے	کسی کو بھول جائے کیا وہ ربّ العالمیں ہو کر	امیر مینائی
تو وہ کریم ہے ناشاد کو جو شاد کرے	مُراد مند کو ہر طرح بامُراد کرے	نامعلوم
نہ تھا خیال کہ دیتا ہے بے طلب وہ کریم	ہوئی کیسی خجالت سوال کرکے مجھے	جلیل مانکپوری
بڑا کریم ہے دینے کو کیا نہیں دیتا	کرم ہو اس کا تو ملنے کو کیا نہیں ملتا	شفق عماد پوری
عبث کرتے ہیں فکرِ رزق وہ رزاق مطلق ہے	کیا ہے اس نے وعدہ تو وہی دیگا دلائیگا	مفتون دہلوی
تو جس کو چاہے خاک سے مسند نشیں کرے	ہے بے حساب فیض ترا کچھ کمی نہیں	جوہر فرخ آبادی
رہ در شود کشادہ اگر بستہ شد درے	رہتا نہیں کسی کا زمانہ میں کام بند	امیر مینائی
اندازۂ طلب سے دیا بڑھ کے جب دیا	کم حوصلہ ہمیں ہیں وہاں کچھ کمی نہیں	جلال لکھنوی
مجھ سے گناہ گار کو کیا کیا عطا کیا	اے داغ کیا ہی شان ہے پروردگار کی	داغ
جو چاہے سو مانگ آتش درگاہِ الٰہی سے	محروم کبھی پھرتے دیکھا نہیں سائل کو	آتش
درگاہ میں کریم کے ہے التجا قبول	دستِ دعا بلند تو کر ہے دعا قبول	"

خضاب

باقی ہے شیخ کو ابھی حسرت گناہ کی	کالا کریگا منہ بھی جو داڑی سیاہ کی	ذوق
چل دیئے شیخ صبح سے پہلے	اُڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ	اکبر الٰہ آبادی
شیخ کی داڑھی پہ اب تو روز لگتا ہے حنا	اب خدا ہی جانے کیا سوجھی ہے اس مکّار کو	نامعلوم
نسخہ ہے لاجواب ہمارے خضاب کا	داڑھی کے ساتھ منہ بھی ہو کالا جناب کا	"
گذری سیاہ کاری میں یا رب تمام عمر	آدھی کٹی شباب میں آدھی خضاب میں	راسخ
دھوکا ہے یہ خضاب نہیں روئے شیخ پر	عصیاں کا رنگ رُخ پہ نمودار ہو گیا	فائق مچھلی بندر
یا رب بُرا ہو پیری خانہ خراب کا	محتاج بال بال ہوا ہے خضاب کا	تمنا لکھنوی

خزاں

امیر مینائی	شاخوں سے برگِ گُل نہیں جھڑتے ہیں باغ میں	زیور اُتر رہا ہے عروسِ بہار کا
ً	بہارِ باغ سے بلبل ہے دل لگائے ہوئے	خزاں بھی تاک میں بیٹھی ہے سر جھکائے ہوئے
نامعلوم	نزدیک ہے خزاں کا زمانہ بھی اے گلو	یاد آئیں گی حکایتیں حسن و شباب کی
میر حسن دہلوی	زندگی ہے تو خزاں کے بھی گذر جائیں گے دن	فصلِ گل جیتوں کو پھر اگلے برس آئے گی
اکبر الٰہ آبادی	چھا گئی زردی چمن پر جلوۂ گل ہو چکا	جورِ صرصر کے دن آئے دورِ بلبل ہو چکا
سودا	اس گلشنِ ہستی میں عجب دید ہے لیکن	جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
نامعلوم	کس باغ میں آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا	گل کونسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

خلوت تخلیہ۔ تنہائی

تولی مرادآبادی	دو عالم میں کہاں خلوت کے قابل ہے مکاں کوئی	جدھر دیکھو ادھر مجمع یہاں کوئی وہاں کوئی
انجم	وہ کیوں اُٹھ کے محفل سے خلوت میں آئیں	وہ کیا جانیں کیا مدعا ہے کسی کا
مضطر خیرآبادی	اکیلا ان کو پا کے عرضِ مطلب کر ہی لیتا ہوں	نہ چاہوں تو بھی تو عرضِ تمنا ہو ہی جاتا ہے
میر ممنون	آہ خلوت میں جو تنہا کبھی پاؤں تجھ کو	جس لئے تجھ کو بنایا ہے دکھاؤں تجھ کو
شیفتہ لکھنوی	وقتِ خلوت نہیں کہہ سکتے جو کچھ یار سے ہم	بیٹھے منہ تکتے ہیں حیرت زدہ لاچار سے ہم
نسیم دہلوی	کہا میں نے تنہائی ہے بات سُن لو	کہا ہنس کے تم کو تو سودا ہوا ہے
مفتون	ہم تم ہوں فقط جب تو ہے خلوت کا مزا بھی	یہ کیا کہ جہاں ہم ہوں وہیں شرم و حیا بھی
بیخود دہلوی	فرمائیے کیا دل میں ہے کیا ٹھانی ہے جی میں	اس وقت کوئی غیر نہیں آپ ہیں یا ہم
تسلیم لکھنوی	گو بظاہر ترک کی الفت مگر جب آ گئے	شوق تنہا پا کے دل میں چٹکیاں لینے لگا
داغ	کچھ ان سے کہنے کو بیٹھے تھے ہم تو خلوت میں	رقیب آ ہی گیا مرگِ ناگہاں کی طرح

کیا بدل جائے گی خلوت میں اکیلا پاکر	کچھ طبیعت تو تمہاری نہیں نیت میری	تسلیم لکھنوی
اُن سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے	واسطے دو دن کے عرش کبریائی مانگتا	انشا
کیوں نہ گھبرائے وہ میں گھبرا گیا بل بے ہجوم	حسرتیں آتی ہیں کیا کیا اُسکو تنہا دیکھ کر	مومن دہلوی

خوشامد

اُن کے حُسن اپنی ضرورت پر نظر کرتے ہیں	گو خوشامد ہے بُری چیز مگر کرتے ہیں	اکبر الٰہ آبادی
بتوں پر دسترس آساں نہیں اے اکبر ناداں	چھوتے ہیں پاؤں اُنکے جبکہ برسوں ہاتھ جوڑے ہیں	"
منتیں کیں ہاتھ جوڑے سر قدم پر رکھ دیا	پھر بھی ہے تیوری چڑھی ہم پر اب آخر کیا کریں	"
مرتبہ دنیا میں اس سے بھی سوا ہو آپ کا	یاد رکھیئے گا کہ میں بھی ہوں دعا گو آپ کا	"
مت ملو لیکن کرم فرما رہو	خوش رہو جیتے رہو جس جا رہو	غالب
یوں خاک میں ملا کے نہ ارمان جائیے	غصّہ کو تھوک دیجئے بس مان جائیے	بیخود
پاؤں پہ سر بھی جھکا ہاتھ بھی جوڑے ہم نے	منھ دکھاؤ کہ رہی کون سی منت باقی	اسیر
کچھ عار نہیں تیری خوشامد سے پری یار	مجبور ہوں میں اس سے کہ آتی نہیں مجھ کو	امیر مینائی
گلے لگائیں بلائیں لیں تم کو پیار کریں	جو بات مانو تو منّت ہزار بار کریں	رند
منت کرے. بلائیں لے اور التجا کرے	اس پر بھی تم نہ مانو تو پھر کوئی کیا کرے	قدی امروہوی
جو کہو گے تم کہیں گے ہم بھی ہاں یوں ہی سہی	آپ کی یوں ہی خوشی ہے مہرباں یوں ہی سہی	نامعلوم
ہم غریبوں سے ملو یا نہ ملو شاد رہو	تم سلامت رہو زندہ رہو آباد رہو	نامعلوم
ایسی تو ہم سے وصل کی شب بارہا ہوئی	غصّہ سے جب نہ کام چلا التجا ہوئی	بیخود
خوشامد او پری زلف سے دل دلگیر اچھی ہے	کسی کے دل میں گھر کرنیکی یہ تدبیر اچھی ہے	قیصر دہلوی
تم خدا کو خوش کرو سب کی خوشامد چھوڑ کر	باخدا حاکم جو ہوگا خود ہی خوش ہو جائیگا	اکبر الٰہ آبادی
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے	سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے	نامعلوم

خونِ ناحق (دیکھئے قتل، قاتل)

امیر لکھنوی
خونِ ناحق کہیں چھپتا ہے چھپائے سے امیرؔ
کیوں مری لاش پہ بیٹھے ہیں وہ دامن ڈالے

داغ
بخشدے اُس بتِ سفاک کو اے داورِ حشر
خون ہی مجھ میں نہ تھا خون کا دعویٰ کیسا

طالب بنارسی
بخشوا لینا سرِ محشر تم اپنا جرمِ خون
بھولے بن کر بیٹھ جانا سامنے جب کا کہ سامنے

شاد لکھنوی
قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

نامعلوم
یہ میں نے مانا کہ آج خنجر مرا گلا بھی نہیں رہیگا
کمر میں قاتل کی او ستمگر ہمیشہ تو بھی نہیں رہے گا

رشید لکھنوی
بخشد دل خون ابھی داورِ محشر اپنا
وہ یہ کہہ دیں اسے مارا ہے سمجھ کر اپنا

عارف یار صاحب
لائے گا رنگ حشر میں کل خونِ بیگناہ
دامن بچا کے آج تو قاتل نکل گیا

ریاض
پھرتے ہیں کیسے حشر میں وہ ہنستے کھیلتے
کچھ دادگر سے کام نہ کچھ دادخواہ سے

″
ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اس کی گردن پر
وہ خوں جو چشمِ تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے

غالب
قتل جہاں مباح ہے ہاں تم ہیں ہاں مباح ہے
صاحبِ اقتدار ہو فائزِ اختیار ہو

آزاد انصاری
مہندی لگی ہوئی ہے ابھی میرے خون کی
کیا ہاتھ اُٹھائیں فاتحہ خوانی کے واسطے

معلوم
شفق بن کے گردوں پہ ہوتا ہے ظاہر
یہ کس کشتۂ بے گنہ کا لہو ہے

″
ہاتھ ہو ولیکا مرا اور ترا داماں ہو گا
چاک جب صبحِ قیامت کا گریباں ہو گا

م کرنالوی
مصلحت جو قتلِ عاشق میں تھی خود ظاہر کریں
مجھ سے کیوں پوچھا - میں کیا جانوں عدو نے کیا کہیں

الدولہ صولت
خونِ ناحق کی شہادت کے لئے بن بن کے تل
دستِ قاتل پر کتنی قطرے لہو کے جم رہے

ی امروہوی
حشر میں کھچتا ہے بیداد کا نقشہ کیسا
دیکھنا تم بھی کہ ہوتا ہے تماشا کیسا

د دہلوی
ذبح کے وقت بہت صاف رہا تھا یہ تو
وے اٹھا خون دمِ حشر یہ دامن کیسا

اض
پکڑ کر قیامت میں دامن تمہارا
خدا سے کہوں گا کہ قاتل یہی ہے

معلوم
ہونے والا ہے کسی بیکس کا ان ہاتھوں سے خون
یہ بتاتا ہے برہمن دستِ جاناں دیکھ کر

ران

خود غرضی

مطلب سے ہے غرض تجھے کام اپنے کام سے
قاصد بلا لا تو اُسے دشمن کے نام سے — نامعلوم

وصل ہو تو نثار ہم بھی ہیں
اپنے مطلب کے یار ہم بھی ہیں — "

بے غرض ملتے نہیں اس میں خدا ہی کیوں نہو
بُجھ گیا دل ارتباطِ اہل دنیا دیکھ کر — نائل دہلو

اپنے مطلب کے آشنا سب ہیں
آشنا کون آشنا کا ہے — زہرہ لکھ

نہیں ہے نام کو بوئے وفا باقی زمانے میں
غرض کا یار دنیا میں ہر اک اپنا پرایا ہے — نامعلوم

دوست دشمن پہ کچھ نہیں موقوف
اک زمانہ ہے اپنے مطلب کا — بیخود دہلو

وعدہ جو برسوں کا تھا وہ آج ایفا ہو گیا
اب کسی سے کیا غرض مطلب ہمارا ہو گیا — "

ہم نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے — غالب

رونا تو ہے اسی کا کوئی نہیں کسی کا
دنیا ہے اور مطلب مطلب ہے اور اپنا — اکبر الٰہ آ

جدھر صاحب، اُدھر دولت جدھر دولت اُدھر چندہ
جدھر چندہ اُدھر آنر جدھر آنر اُدھر بندہ — "

کھُل گیا مجھ پر بہت ہیں آپ میرے خیر خواہ
خیر چندہ لیجئے طومار رہنے دیجئے — "

زمانہ اپنے مطلب کا ہے دنیا اپنے مطلب کی
کہاں وہ دوست جو دکھ درد میں کام آنے والے ہیں — "

خوبرو جتنے زمانہ میں ہیں سب عیار ہیں
آشنا اپنی غرض کے ہیں یہ کس کے یار ہیں — قیصر د

جب وقت پڑا ٹھینگا دکھلانے لگے ٹھینگا
مطلب کے نظر آئے سب دوست ملاقاتی — نامعلو

ہم میں لہری بندے آئے پی پلا کر چل دئے
جسکو لالچ ہو وہ ساقی جم کے بیٹھے خم کے پاس — الست ش

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو
اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو — داغ

دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی
کیا مہربانیاں ہیں مرے مہربان کی — ہدایت ش

میرا دل لینے سے پہلے کیا خوشامد اُن کی تھی
صاف آنکھیں پھیرلیں مطلب نکل جانے کے بعد — بسمل جبا

قصرِ تن بگڑا کسی کا گورکن کی بن پڑی
گھر کسی کا گر گیا گھر بن گیا مزدور کا — نامعل

خواب

مظفر خیرآبادی
جگا نے چٹکیاں لینے ستانے کون آتا ہے
یہ چھپکر خواب میں اللہ جانے کون آتا ہے

امیر مینائی
رہا خواب میں ان سے شب بھر وصال
میرے بخت جاگے میں سویا کیے

ناظم والی رامپور
وعدے کے اپنے سچے تھے آتے وہ خواب میں
ناظم تمہیں کو نیند نہ آئی تمام رات

شفق رنبوی
کسی کی یاد مجھ کو نیند سے آکر جگا دیتی
کسی کا وصل میرے خواب کی تعبیر ہو جاتا

مومن
صورت دکھائیے جو کبھی جا کے خواب میں
بے دید آنکھیں کھولدے جھنجلا کے خواب میں

ذائق
خواب میں ان کو کسی نے رات چھیڑا ہے ضرور
دیکھتے ہیں غور سے مجھ کو بلا کر سامنے

بسمل دہلوی
آئیں کہاں وہ خانہ خرابوں کے گھر کہاں
یہاں خواب تک نہیں کہ کبھی آئیں خواب میں

غالب
تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

ریاض خیرآبادی
خواب میں بھی ہونے پائے گا نہ دشمن کا گذر
آپ سو رہئے مجھے بیدار رہنے دیجئے

"
دیکھا جو میں نے صبح کو اٹھ کر تو کچھ نہ تھا
شب کو حسین خواب میں آئے چلے گئے

داغ
خواب میں وعدہ تو مجھ سے کر گئے ہیں وہ ضرور
دیکھئے اس خواب کی ملتی ہے اب تعبیر کیا

بیخود دہلوی
خواب میں لوٹی ہے میں نے انکے جوبن کی بہار
اپنی چوری کی حقیقت پاسباں سے کیوں کہوں

نامعلوم
لطف ہے خواب میں حاصل مجھے بیداری کا
تیرے صدقے میری آنکھوں میں سمانیوالے

خطرۂ فراق

مومن
ڈرتا ہوں جدا مجھ سے مرا یار نہ ہو جائے
یہ زندگی میری کہیں دشوار نہ ہو جائے

حالی پانی پتی
کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت
ہم کو طاقت نہیں جدائی کی

مومن
منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

نامعلوم
وصل کی شب بھی نہ گذری چین سے
میں خیال ہجر سے تڑپا کیا

وصل میں ہجر کا غم ہجر میں ملنے کی امید
کون کہتا ہے جدائی سے وصال اچھا ہے

نہ آیا وصل میں بھی چین ہم کو
گھٹا کی رات اور حسرت بڑھا کی

چھُٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی
اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

وصل کی شب خوشی وصال کی کیا
سامنے منظرِ فراق بھی ہے

تھی وصل میں بھی فکر جدائی تمام رات
وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام رات

خوفِ محشر

سب نیک و بد کا حال کھلے گا ملیں گی جب
فردیں ہر ایک فرد کو فردا حساب کی

دلیری سکھاتے ہیں ہم کو یہ کہہ کر
جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے

کھائے جاتا ہے مجھے حشر کا کھٹکا قیصر
دیکھئے کیا ہو وہاں مجھ سے گنہگار کے ساتھ

خیال روزِ جزا دل میں ہر بشر رکھے
یہ کچھ نہ کچھ تو وہاں کے لئے بھی کر رکھے

فردِ حساب آہ سراپا سیاہ ہے
کیا حشر میرا دیکھئے روزِ حساب ہو

مبتلا رنج مکافات میں فرزانے ہیں
پرسشِ حشر سے فارغ ہیں جو دیوانے ہیں

جائے ہے جی نجات کے غم میں
ایسی جنت گئی جہنم میں

چارۂ دنیا و دیں ہم سے نہ کچھ بھی ہو سکا
اس طرف تو چھُٹ گئے مر کر اُدھر کا کیا علاج

غافلو بھولے ہوئے بیٹھے ہو اتنا کس پر
حشر کے روز گناہوں کی سزا پانی ہے

عمر بھر کوئی ہوا ہم سے نہ سرزد کارِ نیک
کون سے برتے پہ ہم جائیں خدا کے سامنے

شیخ دوزخ سے ڈرانے کی ضرورت کیا ہے
ہم تو صورت ہی تری دیکھ کے ڈر جاتے ہیں

قیامت سے ڈرا کر دل دکھا میرا نہ کر واعظ
کہ اس دل میں اُمیدِ رحمتِ غفار باقی ہے

نکلے میرے جُرم میرے علم سے باہر بہت
روزِ محشر دم بخود ہوں فردِ عصیاں دیکھ کر

وصل کی لذت اِدھر سے خوف عصیاں کا اُدھر
دل میں یادِ حور ہے روزِ شمار آنکھوں میں ہے

دل

ان شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا
کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

تعمیر خانہ کعبہ کی جب ہو چکی تمام
کچھ سنگ بچ رہا تھا جو اس بُت کا دل بنا

کیا دل ہے اگر جلوہ گہہ یار نہ ہووے
ہے طُور سے کیا کام جو دیدار نہ ہووے

ہم بھی رکھتے ہیں وہ دل مول نہیں ہے جس کا
پَر خریدار کی دیکھیں تو نظر کتنی ہے

اے صنم کیا مول مال فی سبیل اللہ کا
مُفت دل دیتا ہوں سودا ہے خدا کی راہ کا

ارماں نہ امید نہ ہو، آرزو نہ ہو
پہلو میں گر مرے دلِ بیتاب تُو نہ ہو

مجھ کو جس دل کی شکایت کہ قابو میں نہیں
اب تڑپتا ہوں اکیلا وہ بھی پہلو میں نہیں

بدل دے اور دل اس دل کے بدلے
الٰہی تو تو ربّ العالمیں ہے

وہ سر نہیں جس میں کہ ہو سودا نہ کسی کا
وہ دل نہیں جو دل نہ ہو دیوانہ کسی کا

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری
خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بُو تیری

کبھی یہ حضرتِ دل چین سے نہ بیٹھیں گے
ہمارا کام نہ جب تک تمام کر لیں گے

ہو بُرا اس دل کا رکھا عمر بھر خانہ خراب
جس کو دیکھا اس پہ یہ خانہ خراب آہی گیا

لینا اگر ہے دل کو تو لے بھی اسے کہیں
سینہ میں اب تلک تو رکھا مار کوٹ کر

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

اے شیشہ گرو تم سے میری عرض یہی ہے
ٹوٹا ہوا دل جوڑ دو تو کچھ شیشہ گری ہے

کوئی اس دل کو سمجھائے نہ جائے میرے پہلو سے
کہاں مارا پھرے گا یوسفِ بے کارواں ہو کر

افسوس میں نے روزِ ازل یہ نہ کہہ دیا
دے مجھ کو سب جہان کی نعمت سوائے دل

دل دیا وہ تو نے یا رب ایسا دل کوئی نہ ہو
چاہتا ہے تخلیہ جس میں محل کوئی نہ ہو

دردِ دل

کہتے نہیں ہیں یہ بھی ستمگر کے ڈر سے ہم
مرتے ہیں اب تو شدتِ دردِ جگر سے ہم

ایک سینہ میں نہ تھی دو کی جگہ
دل کو کھویا درد کو پیدا کیا

کہتے ہیں کہ دل دیکے تڑپتے ہیں جو عاشق
ہوتا ہے کہاں درد اگر دل نہیں ہوتا

علاجِ شدتِ دردِ جگر کرے کوئی
جنھیں خبر نہیں ان کو خبر کرے کوئی

تو جو پہلو سے اٹھا درد کچھ ایسا اُٹھا
تھام کر دل کو کئی بار میں بیٹھا اُٹھا

اُٹھ اُٹھ کے درد رہ رہ گیا، دل میں بار بار
بیچارہ اب یہ جاکے یہاں سے کہاں رہے

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

گر درد ہے کھونا دل مضطر سے کسی کے
پانی دو پلا وار کے سر پر سے کسی کے

دل میں آتا ہے جگر سے تو جگر میں دل سے
درد اُٹھا ہے ذرا آج ٹہلنے کے لئے

دل کو وہ خوگرِ آزار بنا رکھا ہے
درد کا نام محبت نے مزا رکھا ہے

سنتے ہی دردِ دل کا وہ حال اُٹھ کھڑے ہوئے
یعنی یہ ایسے ہیں کہ نہ اُن سے سُنا گیا

یہ میٹھا میٹھا درد پھر اے چارہ گر کہاں
رہنے دے اس کسک میں ہے لذت کمال کی

نہایت شدتِ دردِ جگر ہے
مسیحا کچھ ہماری بھی خبر ہے

چہرہ کچھ ان دنوں غمِ پنہاں سے زرد ہے
ظاہر میں کچھ مرض نہیں پر دل میں درد ہے

پوچھتے ہیں بیٹھ کر پہلو میں وہ
اب تو دردِ دل کو کچھ آرام ہے

یُوں کون جانے دردِ محبت کو ناصحو
وہ جانے جس کے چوٹ ہو دل پر لگی ہوئی

درد وہ دے کہ لب پر جسے لا بھی نہ سکوں
زخم وہ زخم ہے دل کا کہ دکھا بھی نہ سکوں

یہ دردِ دل ہے کہ گھنٹوں خبر نہیں ہوتی
بدن میں جان بھی دو دو پہر نہیں ہوتی

فرقت میں درد ایک مرا ہم نشیں رہا
اُٹھ بھی کھڑا ہوا تو یہیں کا یہیں رہا

درباں

ہوئی تاثیر یہ اُلٹی فغاں کی
اُڑی ہے نیند ان کے پاسباں کی

درباں کی یہ مجال کہ یوں روکتے ہمیں
ہم نے تمہارا پاس تمہارا ادب کیا

یاں آنے سے کس واسطے جلتا ہے ہمارے
عاشق تو نہیں ہے کہیں دربان تمہارا

کسی دن مفت کی پخ ہو دربان سے مجھے ڈر ہے
ذرا کہہ دو ہمیشہ کے یہ آنے جانے والے ہیں

گزر ہم سے غریبوں کا کہاں ہے بزمِ جاناں تک
وہاں تو دوڑتا ہے کاٹ کھانے کو نگہباں تک

یہ کہہ دینا تم اپنے پاسباں سے
لڑا کرتے نہیں ہیں میہماں سے

بہت ہم ضبط کرتے ہیں مگر کھٹکا ہی رہتا ہے
کہیں کھٹ پٹ نہ ہو جائے کسی دن آپکے درباں سے

چلے آؤ جب چاہو دل میں ہمارے
نہ در ہے نہ درباں ہے اُجڑا مکاں ہے

تمہارے در پہ جو درباں نے آستیں پکڑی
برنگِ نقشِ قدم ہم نے بھی زمیں پکڑی

حضور اس کے ہیں دشمن بہت اجازت ہو
تو پاسبان ہوں میں شب کو پاسباں کیلئے

یہ کہہ کر مجھے ان کے درباں نے روکا
کریں کیا ہم اس بات کا کھا رہے ہیں

بس کود کے دیوار گیا یار کے گھر اور
بیچارہ مفت میں گیا دربان نکالا

درباں کی خوشامدیں ہیں منظور
جھک جھک کے سلام ہو رہے ہیں

ٹھن گئی آج یہی دل میں کہ پہنچوں ان تک
یا میری خیر نہیں یا نہیں درباں کی خیر

لے چلو ساتھ تو چلتے ہیں تمہارے گھر پر
ورنہ ہم آفتِ درباں کو نہیں جانتے کیا

خدا کے واسطے درباں نہ روکیو ہم کو
کہ ہم بھی آئے ہیں اس شوخ کے بلائے ہوئے

غیر کو آنے نہ دوں تم کو کہیں جانے نہ دوں
کاش مل جائے تمہارے در کی دربانی مجھے

ہمارے خانۂ ویراں میں جب چاہو چلے آؤ
فقیروں کا سا تکیہ ہے وہاں در ہے نہ درباں ہے

جب آستانِ یار پہ حاضر ہوئے ہیں ہم
درباں سے یہ سنا ہے کہ دربار ہو چکا

درِ جاناں (دیکھیے کوچہ جاناں حصہ سوم)

ان کے در پر کوئی دن آ رہے رہے جاتے ہیں
رفتہ رفتہ ایک دن لے جا کے بستر رکھ دیا

لگائے سر وہ ٹھوکر آستاں سے
وہ گھبرا کے نکل آئیں مکاں سے

مرنے سے کیا ہے ڈرنا کیوں چھوڑیں اسکے در کو
بستر شفق جہاں ہے تربت وہیں بنے گی

کہاں ہم کہاں در ترا شاہِ حُسن
فقیرانہ یاں بھی گذر ہو گیا

اس شاہِ حسن کا کوئی دربار کیا کرے
جب جا کے دیکھئے ہے در بارگاہ بند

سریرِ سلطنت سے آستانِ یار بہتر تھا
ہمیں ظلِ ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

یہ تیری خوشی بھیک دے یا نہ دے
ترے در پہ سائل صدا کر چلے

وہ سائل ہوں کہ کچھ لے کر ٹلوں گا
درِ دولت سرا ہے اور میں ہوں

پڑے رہیں گے دھوپ میں اس کی بھی کچھ پروا نہیں
آپ نازاں ہیں جو اپنے سایۂ دیوار پر

دعوت (دیکھیے مہماں)

منظور وہ کیوں کرنے لگے دعوتِ اکبر
خیر اس سے ہے کیا بحث ہم اصرار تو کر لیں

شیخ کی دعوت میں مے کا کام کیا
احتیاطاً کچھ منگا لی جائے گی

بڑی ہی دھوم سے دعوت ہو پھر تو زاہد کی
یہ مے جو چار گھڑی کو حلال ہو جائے

یہ بھی اک بات ہے عداوت کی
روزہ رکھا جو ہم نے دعوت کی

میری دعوت پہ وہ فرماتے ہیں لو اور سُنو
تم نے دیکھا ہے کبھی ہم کہیں مہمان گئے

ہو چکا عیش کا جلسہ تو مجھے خط لکھا
آپ کی طرح سے مہمان بلائے کوئی

بُلایا جو غیروں کو دعوت میں تم نے
مجھے پیشتر اپنے گھر دیکھ لینا

دنیا دار المحن ہے

(دیکھئے زندگی ایک مصیبت ہے)

اکبر الہ آبادی — غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا فکر باں ہوکر / امیروں کے مقابل ہوتی ہے حسن بتاں ہوکر

فدا علی عیش — عمر کٹنے کو کٹ گئی . لیکن / چین سے ایک دن بسر نہ ہوئی

نامعلوم — آسماں گردش میں ہیں میرے ستانے کیلئے / چکیاں تو چل رہی ہیں ایک دانے کیلئے

" — آرام چند لمحے . آلام تا بامرقد / کیا تلخ ہیں نتیجے دنیا کی دوستی کے

شفق عمادپوری — اک نہ اک کھٹکا لگا ہے سب کو باغ دہر میں / گل کو گلچیں کا خطر بلبل کو ڈر صیاد کا

نامعلوم — زمانہ رنج دیتا ہے بقدرِ حال انساں کو / گدا کو فکرِ ناں اندیشۂ عالم ہے سلطاں کو

لطف استرآبادی — اللہ رے قید خانہ ہستی کہ دم کے ساتھ / ہر اک قدم پہ لاکھوں ہیں زنداں لگے ہوئے

ذوق — اسی باعث سے دایا طفل کو افیون دیتی ہے / کہ ہوتا جائے لذت آشنا تلخیٔ دوراں سے

" — ممکن نہیں ہے ذوق علائق سے چھوٹنا / جب تک کہ روح کو ہے تعلق بدن کے ساتھ

داغ — خوش کسی حال میں انسان رہا ہے نہ رہے / ہو کے بے فکر کبھی آن رہا ہے نہ رہے

عشرت لکھنوی — باغِ جہاں میں ہم نہ کبھی شادماں رہے / شبنم کی طرح عمر بھر آنسو رواں رہے

مونس — عدم سے جانبِ ہستی تلاشِ یار میں آئے / کھلیں آنکھیں تو دیکھا وادیٔ پُر خار میں آئے

آتش — سوائے رنج کچھ حاصل نہیں ہے اس خرابے میں / غنیمت جان جو آرام تو نے کوئی دم پایا

ثاقب دہلوی — عالم زیست میں ملتی ہی نہیں غم سے نجات / کیا عدم سے ہم اٹھانے کو عذاب آئے ہیں

انشا — کچھ نہیں دستی ہی تنہا دشمن انشا کی نہیں / عشق و ہجر و نوجوانی گردش ایام بھی

تہور حسین خاں جادو — عشق بتاں کے صدمے حوروں کی آرزوئیں / دونوں جہاں کے جھگڑے اس ایک جان پر ہیں

جلیل مانکپوری — لوگ آرام کی خاطر ہے دنیا میں خراب / اور آرام چھپا گوشۂ مدفن میں رہا

" — بالائے آسماں نہیں زیرِ زمیں نہیں / راحت ہے جس کا نام وہ اے دل کہیں نہیں

اکبر الہ آبادی — باغ جہاں میں کوئی روش بے خلش نہیں / دوڑاؤں گر یہ ہاتھ تو کھٹکا ہے خار کا

قیدِ حیات و بندِ غم۔ اصل میں دونوں ایک ہیں — موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں — غالب

گردشیں ہیں نامِ روزی سے زمانے کیلئے — ہے امامِ سبحہ تک گردش میں دانے کیلئے — جوہر (منشی جواہر سنگھ)

جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع ناداں — قیدِ ہستی میں میری جان فراغت کیسی — حالی

دنیا میں ہم رہے تو کئی دن پر اس طرح — دشمن کے گھر میں جیسے کوئی مہماں رہے — قائم چاندپوری

قسمتوں سے کوئی ہمدرد جو ملتا ہے کبھی — وہ بھی کم بخت مصیبت میں گھرا ہوتا ہے — نامعلوم

ہر دم ہے طبیعت کو الجھن اک یاس کا عالم طاری ہے — یہ سانس نہیں اک کانٹا ہے یہ زیست نہیں بیماری ہے — چکبست

دین و دُنیا دونوں رکھنے مشکل ہیں

فکرِ عقبےٰ اور حُبِّ دنیوی — باز آ تو اس خیالِ خام سے — قیصر ملا حسین عباس

بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے — پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے — ذوق

واقعی کیا چیز ہے اپنا دلِ ناشاد بھی — ذکرِ حق بھی ہوتا جاتا ہے بتوں کی یاد بھی — جلیل

کُفر کی رغبت بھی ہے دل میں بتوں کی چاہ بھی — کہتے جاتے ہیں مگر منہ سے معاذ اللہ بھی — اکبر الہ آبادی

راتوں کو بتوں سے وہ لگاوٹ بھی چلی جائے — اور صبح کو وہ نعرۂ یارب بھی نہ چھوٹے

میری رسائی ہر دیر میں بھی حرم میں بھی میری منزلت ہے — بتوں سے بوسے کی ہے توقع خدا سے امیدِ مغفرت ہے

دنیا سے خالی ہاتھ جانا ہے

اہلِ دولت سے کوئی نزع میں اتنا پوچھے — ساتھ کیا کیا لیا اس وقت میں چھوڑا کیا کیا — صبا لکھنوی

جب آئے ہاتھ تھے خالی چلے بھی خالی ہاتھ — نہ لائے یاں کے لئے لے چلے نہ واں کے لئے — نامعلوم

جو مرتے بادشہ ہو کر بھی کچھ تزئین نہیں ہوتی — یہی دو گز کفن ہوتا یہی دو گز زمیں ہوتی — بزم اکبر آبادی

مرتے دم عبرت پکاری ہاتھ خالی دیکھ کر — عمر بھر کا ہے یہی حاصل کہ کچھ حاصل نہیں — شفق عماد پوری

چھپا کو کہ سب سامانِ مُلکی اور مالی تھے — سکندر جب چلا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے — نامعلوم

دوست دشمن

اکبر الہ آبادی
خیر خواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں
ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو

"
نادان ہیں جو رکھتے ہیں امید کسی پر
جز ذاتِ خدا کوئی کسی کا نہیں ہوتا

اقبال
یارِ جانی کہیں نہیں ملتا
یوں تو ہوتے ہیں یار ہونے کو

مسرور کھیری
اب وہ ہمدردی کہاں دردآشنا کہنے کو ہیں
نیش زن ہیں مثلِ عقرب اقربا کہنے کو ہیں

حالی
دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ
یہاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار لوگ

ذوق
اب زباں پر بھی نہیں آتا کبھی الفت کا نام
اگلے مکتوبوں میں کچھ رسمِ کتابت ہو تو ہو

قیصر — رباعی
جن دوستوں میں خوش چلنی رہتی ہے
تا عمر محبت ہی بنی رہتی ہے
افسوس عقارب ہیں احباب میرے
ہر وقت یہاں نیش زنی رہتی ہے

رند
بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہووے

نامعلوم
نگاہِ غور سے ہم نے تماشائے جہاں دیکھا
کسی کو بھی نہ اپنا یار وقتِ امتحاں دیکھا

ذوق
گر پڑے ہیں آگ میں پروانہ سا کرمِ ضعیف
آدمی سے کیا نہ ہو لیکن محبت ہو تو ہو

ذکی مرادآبادی
دوست وہ دوست ہے جو ہو رنج و راحت کا شریک
بھائی وہ بھائی ہے جو قوت بازو ہو جائے

رضوان
کیوں جان دے کسی کیلئے کوئی کیوں مرے
دنیا میں جب کسی کا کوئی آشنا نہیں

رنجور عظیم آبادی
بہت تحقیق کی لیکن اگر پایا تو یہ پایا
وجود دوستی کچھ ہے تو یاروں کی زباں تک ہے

شفق لکھنوی
طمع دو آنسوؤں کی بھی نہ رکھو اہلِ دنیا سے
شفق جی بھر کے رو لو جیتے جی کر جاؤ غم اپنا

غالب
فائدہ کیا سوچ لے تو بھی تو دانا ہے اسد
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

آتش
دوستوں سے اس قدر صدمے اٹھائے جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

امیر مینائی
ہے وہی دوست جسے جس سے محبت ہو جائے
نہ یہ اپنے پہ ہے موقوف نہ بیگانے پر

دبیر
ملتے ہیں ہم کسی سے تو ملتے ہیں اے دبیر
الفت سے دوستی سے محبت سے چاہ سے

دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست

ہے جس کا خدا حافظ کیا اس کو خطر کوئی — انسان کی کیا طاقت پہنچائے ضرر کوئی — نسیم عظیم آبادی
ابلیس حسد سے ہے تدبیر میں میری — تدبیر کو کیا دخل ہے تقدیر میں میری — آتش
جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں — جی میں سما رہا ہے ازبس غرور تیرا — میر درد
نیچی رقیب سے نہ ہوئی آنکھ عمر بھر — جھکتا ہیں کیا نظر میں تمہارا غرور تھا — امیر مینائی
اے دوست مجھے تو ہے خدا ہی پہ بھروسا — دشمن کو مبارک ہو میری گھات میں رہنا — اکبر الہ آبادی

دشمن کی موت یا نقصان پر خوش نہ ہونا چاہیئے

گر مر گیا رقیب تو شادی کی جا نہیں — دارِ فنا میں کوئی ہمیشہ رہا نہیں — شرر لکھنوی
میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد — سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا — غالب
ناظم انہیں بھی دیکھنا آخر یہی ہے دن — ہنستے ہیں غیر کیوں مری حالِ تباہ پر — ناظم از جلوہ
اے دوست گر جنازہ پہ دشمن کے ہو گذر — کہنا کہ ہم بھی آتے ہیں ہیکِ قضا کے ساتھ — دوست
تھی جہنم وہ نگاہِ گرم بھی سوئے عدد — سوجھی اپنی عاقبت کی ہمکو دنیا دیکھ کر — مومن
آج اُسکے واسطے ہے توکل اپنے واسطے — دے کر کسی کو رنج کوئی شادماں نہ ہو — نامعلوم

دھوبی کا کُتّا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

کس کی ملت میں گنوں آپکو بتلا ای شیخ — تو کہے گبر مجھے۔ گبر مسلماں مجھ کو — سودا
ایک دل دلبر ہیں دو دلدار کس کا ہو رہوں — دو طبیبوں بیچ میں بیمار کس کا ہو رہوں — نامعلوم
نا قبولِ خلق تھا ایسا بنا کافر جو میں — جتنے ہندو تھے میری ضد سے مسلماں ہو گئے — امیر لکھنوی
خراب مٹی نہ ہو کسی کی کوئی نہ مردود دوستاں ہو — جُدا ہوا شاخ سے جو پتّا غبارِ خاطر ہوا چمن کا — امیر لکھنوی
آتش

دیدار کا شوق

شہیدی
ظالم کبھی تو بام پر آ جا کہاں تلک
ہلائے جی کوئی در و دیوار دیکھ کر

غالب
مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کئے ہوئے

جلال لکھنوی
مری آنکھیں تری صورت کو ترسیں
گلہ ہے مجھ کو صورت آفریں سے

جلیل مانکپوری
ناقہ چلا ہے نجد کو لیلیٰ کی ہے دعا
پردہ اُٹھے تو قیس ہو محمل کے سامنے

آشفتہ
دم شماری تلک بھی آشفتہ
قدموں کا شمار تھا دل میں

نامعلوم
حسرتِ دید لے گئی دونوں جگہ کشاں کشاں
دن کو درِ رقیب پر رات کو کوئے یار میں

ناجی شاہجہان آبادی
اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے

مصحفی (قطعہ)
شوقِ نظارہ ترا کھینچ کے لایا تھا اُسے
گرچہ تھی قیس کے پاؤں میں سلاسل بھاری
دیکھ لیتی جو اُٹھا کر ترے کیا ٹوٹتے ہاتھ
لیلیٰ اتنا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

نیاز
مبارک رہے تجھ کو واعظ بہشت
میاں ہم تو طالب ہیں دیدار کے

ریاض خیرآبادی
ذرا اُن سے یہ کہہ دو جو ادھر چلمن کے بیٹھے ہیں
گلی میں رہنے والے وادیٔ ایمن کے بیٹھے ہیں

نامعلوم
وہ جان جو دوبارہ ملی فدا کروں
محشر میں تجھ کو میرے اگر روبرو کریں

ذوق
ہائے رے حسرتِ دیدار مری ہائے کو بھی
لکھتے ہیں ہائے دوچشمی سے کتابت والے

،،
یہ چاہتا ہے شوق کہ قاصد بجائے مہر
آنکھ اپنی ہو لفافہ خط پر لگی ہوئی

محشر لکھنوی
ٹھوکریں کھانے کو بیٹھا ہوں میانِ کوئے دوست
اتنی سی امید پر شاید کہ آئے بوئے دوست

شہیدی
عید ہو جاتی ہے جس دم دیکھ لیتا ہوں اُسے
ورنہ پھر بارہ مہینے تک محرم ہے مجھے

نحیف
فرشتہ پُوچھنے مجھ سے جو کچھ مزار میں آئے
تو بولوں میں کبھی جب تک نہ شکلِ یار میں آئے

امیر مینائی
شربتِ دیدار سے تسکین سی کچھ ہو گئی
دیکھ لینے سے دوا کے درد کیا جاتا رہا

خلیق
یہی کرتے میر یہاں دل پہ جو قابو ہوتا
سامنے تم کو بٹھا کر تمہیں دیکھا کرتے

دل سے دل کو راہ ہوتی ہے

دل میں رکھو کسی کو دل میں رہو کسی کے	سیکھو ابھی طریقے کچھ رمزِ دلبری کے	رسا
اُسی نے بنایا ہے اپنا کسی کو	جو دل سے کوئی ہو رہا ہے کسی کا	داغ
یہ شکوۂ فرقت پہ کہا ہے یار اس نے	مجھ کو بہت رنج ترے سر کی قسم تھا	"
میں پریشاں ہوں تو وہ ہیں بیقرار	میری ان کی ایک حالت ہو گئی	نامعلوم
وہاں لگا صندل یہاں سینے پہ رکھا ہم نے ہاتھ	دردِ سر اُن کو ہمیں دردِ جگر ہونے لگا	منظور مدراسی
ماتھے پہ لگا صندل وہ ہار پہن نکلے	ہم کھینچ وہیں قشقہ زنار پہن نکلے	ہوس
دل سے ہے دل کو راہ کہ وہ کوستے ہیں جب	منھ سے یہی نکلتا ہے تیرا بُرا نہ ہو	نظام
لاش پروانے کی جلتی ہوئی دِکھلا کے مجھے	تم نے بھی دیکھ لیا شمع کا گریاں ہونا	نازؔ ولی خیرپور سندھ
خوں رگِ مجنوں سے نکلا فصد لیلیٰ کی جو لی	عشق کو تاثیر ہے پر جذبِ کامل چاہیئے	نامعلوم
ایک جانب سے محبت نہیں پاتی انجام	میں ترا ہو کے رہوں تو رہے میرا ہو کر	اثر ٹینوی
شمع ہر صبح یہ کہتی ہے کہ پھر آئے گی شام	رکھے اللہ سلامت مرے پروانے کو	نامعلوم

دلربائی

لیا دل ایک نگہ میں دلربائی اِسکو کہتے ہیں	کیا بیگانہ سب سے آشنائی اسکو کہتے ہیں	عزیز دہلوی
جب نظر شیخ کو وہ شوخ پریزاد آیا	پھر نہ تسبیح نہ توبہ نہ خدا یاد آیا	دلالہ شیوناتھ جگر
مسکرا کر اس نے مارا ہاتھ پر میرے جو ہاتھ	کیوں نہ ہاتھ اپنے ملوں دل ہاتھ سے جاتا رہا	میر برشتہ دہلوی
مسجد میں اس نے مجھکو آنکھیں دکھا کے مارا	کافر کی دیکھ شوخی گھر میں خدا کے مارا	ذوق
دِل ہوا جب دونوں سے بسمل ابروئے دلخواہ کا	تھا وہی دن پہلا اُس بسمل کی بسم اللہ کا	نظیر اکبرآبادی
کیا استاد کو شاگرد اُس طفل پریرو نے	پڑھا بارِ دگر بسم اللہ علمِ عشق مُلّا کو	آتش

دھمکی

نامعلوم
اچھا کیا جو آپنے باندھا ہے ہم سے بیر
جیتے رہے تو سمجھیں گے اور مر گئے تو خیر

مشتری
ڈرتے نہیں ہیں آپ مری آہِ سرد سے
شاید کسی سے آپ کو پالا پڑا نہیں

دلسوز
سب سہوں گا جو صنم لاکھ بُرائی ہوگی
پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

داغ
کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

امیر مینائی
حلال کر کے مرے ہم صفیروں کو صیّاد
لُہو بھری ہوئی چھریاں مجھے دکھاتا ہے

احسن مارہروی
دکھا کر ہر گھڑی تلوار تم دیتے ہو کیا دھمکی
اڑادو سر جو ایسی ہی خوشی ہے میرے ماتم کی

مفتون دہلوی
بس دل جلوں کو چھیڑ چکا سہہ چکے ستم
ہاں کہدو اب سنبھل کے ذرا آسماں رہے

قوی امروہوی
کروں گا جو دعوے میں روزِ قیامت
تو فرمائیے آپ کیا کیجیئے گا

ذاکر دہلوی
بات کی پیچ پہ جو آجائیں تماشا ہی کھائیں
دل میں سمجھے ہوئے بیٹھا ہے ہمیں کیا کوئی

نامعلوم
گو راہ و رسمِ عشق یہی ہے تو ایک دن
سُن لیجیو کہ ترکِ ملاقات ہو گئی

"
تمہارا روٹھنا ہر بار کا اچھا نہیں دیکھو
بُری ہیں ہم جو دل پر رکھتے ہیں وہ کر گذرتے ہیں

بیخود دہلوی
آیا تمہارا دل بھی جو مجھ پہ میری طرح
پھر دیکھنا ستاؤں گا میں بھی اسی طرح

"
پھر مجھ سے لڑا ہوتا پھر روٹھ گیا ہوتا
پھر دیکھ لیا ہوتا نالوں کا اثر تونے

غافل
خدا شاہد ہے اس کا پھر نہیں ملتی نہیں ملتی
طبیعت جس سے اپنی اُوبت بے پڑتی

مست بنارسی
اب بات بات پر مجھے دھمکی سزا کی ہے
عاشق ہیں کیا ہوا کہ گنہگار ہو گیا

آزاد حیدرآبادی
وعدے سے اپنے تو جو ستمگر پلٹ گیا
یہ جان لے کہ تجھ سے مرا دل بھی ہٹ گیا

تنہا
تم نہ آؤ گے تو کیا موت بھی آنکی نہیں
راستے روک دئے ہونگے قضا کے تم نے

رسا
اُسکو دشمن سے جو الفت ہے تو پرواہ نہ کر
اے رسا تم بھی کسی اور پہ مر کر دیکھو

اسیر لکھنوی
بندگی کی راہ تم نے غیر سے رکھی اگر
پھر نہ آئیگا نظر کوسوں یہ بندہ کہہ دیا

دَیر و حرم - شیخ و برہمن

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاضؔ — زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا — ریاض خیرآبادی

حرم و دیر میں ہے جلوۂ پُرفن ان کا — دو گھروں کا ہے چراغ ایک رُخِ روشن اُن کا — نامعلوم

سدھاریں شیخ کعبہ کو۔ ہم انگلستان دیکھیں گے — وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے — اکبر الٰہ آبادی

زاہد وہی ہے کعبہ میں بت خانہ میں وہی — پھر وہ خدا ہی کیا جو کہیں ہو کہیں نہ ہو — قیصر دہلوی

سُنا ہے شیخ جی آئے ہیں کعبہ سے چلو پوچھیں — نظر آیا خدا بھی یا خدا کا خالی گھر دیکھا — نامعلوم

کعبہ کس منھ سے جاؤ گے غالبؔ — شرم تم کو مگر نہیں آتی — غالب

ہزاروں انقلاب آئے خدا کا گھر ہی کہلایا — بنا ہے خانہ کعبہ کسی کامل کے ہاتھوں سے — سائل دہلوی

چند مدت کو فراقِ صنم و دَیر تو ہے — چلئے پھر کعبہ ہی ہو آویں ذرا سیر تو ہے — انشاد

کوچہ میں اِن بتوں نے آنے دیا نہ شاید — سنتے ہیں اب رسا بھی کعبہ کو جا رہا ہے — رسا

دَیر کی تحقیر کر اتنی نہ اے شیخِ حرم — آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بتخانہ تھا — امیر مینائی

شیخ ہو یا برہمن معبود ہے سب کا وہی — ایک ہے دونوں کی منزل پھیر ہے کچھ راہ کا — نامعلوم

لڑتے ہیں جاکے باہر یہ شیخ اور برہمن — پیتے ہیں میکدے میں ساغر بدل بدلکر — سائل دہلوی

گر اب کے پھرے جیتے وہ کعبہ کے سفر سے — تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے — ذوق

ہوس ہیں کعبہ کی کیوں شیخ بتخانہ سے گمراہ ہے — یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں اللہ ہی اللہ ہے — "

معمور شرابوں سے کبابوں سے ہے سب دیر — مسجد میں کیا ہے شیخ پیالہ نہ نوالہ — میر تقی میر

قیودِ دَیر و حرم سے بَری ہے خاطرِ وحشی — نمازِ عشق پڑھ لیتے ہیں ہم صحرا کے دامن میں — بدر بی اے

دُنیا سے ہاتھ دھو کے چلیں کوئی یار ہیں — جائز نہیں طوافِ حرم بے وضو کئے — نامعلوم

ایمان مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر — کعبہ مرے پیچھے ہے۔ کلیسا مرے آگے — غالب

بڑی پیچ در پیچ تھی راہِ دَیر — خدا ہم کو لایا۔ خدا لے گیا — امیر مینائی

دُعا

دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے — کہ پورا ہو جو مدعا ہے کسی کا — داغ

نکل جائے دُنیا میں حسرت کسی کی — ہمارے لئے یہ دعا کیجئے گا — مست بنارسی

یہ جان لو کہ ہاتھ اٹھانے کی دیر ہے — خالی گئی نہ جائے گی اپنی دعا کبھی — نامعلوم

کرتا ہوں یہ دعائیں شبِ وصل یار میں — لینا میری خبر یوں ہی پروردگار روز — کیف

اثر کو ساتھ لئے کامیاب ہو کے پھری — فلک سے میری دعا مستجاب ہو کے پھری — شفق عماد پوری

کسی کے ہجر میں اس درد سے دعا مانگی — ندائیں آئیں خدا کامیاب کر دیگا — بیخود دہلوی

دعا مانگے دلِ غمگیں کہاں تک — کہوں میں دم بدم آمیں کہاں تک — داغ

ہزار بار جو مانگا کرو تو کیا حاصل — دعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے — ”

دعائے مرگ فرقت میں جو مانگی — محلّے والے چلّائے کہ آمیں — امیر مینائی

مانگی ہے دعا کس نے الٰہی کہ کھلا ہے — آغوشِ تمنّا کی طرح بابِ اثر آج — ”

فقیرانہ آئے صدا کر چلے — میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے — میر تقی میر

جو دانشمند ہیں وہ یوں دعا دیتے ہیں لڑکو کو — نہ ہو مکار پیری میں نہ ہو عاشق جواں ہو کر — اکبر الٰہ آبادی

انہیں شوقِ عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی — نکلتی ہیں دُعائیں اُن کے منہ سے ٹھمریاں ہو کر — ”

مصیبت اور لمبی زندگانی — بزرگوں کی دُعا نے مار ڈالا — مضطر خیرآبادی

ہوئی ہے مُدّت میں وصل کی شب نہ حشر تک ہو سحر نمایاں — کہوں میں آمین سر جُھکا کر خدا سے تو اے صنم دعا کر — خلیل

خالی نہیں جاتیں کسی بیکس کی دعائیں — دیکھیں گے بڑے آپ بنے پردہ نشیں ہیں — ذاکر دہلوی

میری دعائیں بھی میری طرح ہیں سرگرداں — درِ قبول کا ان کو پتہ نہیں چلتا — مفتوں

لطف آ جائے جو وہ بُت کبھی سن لے آکر — جو دُعا ہجر میں اللہ سے ہم کرتے ہیں — قیصر

کرتا ہوں دعائیں تو یہ آتی ہیں ندائیں — تو ہو کسی قابل تو دعائیں اثر آئے — رسا

عطا کر قسمتِ تصنیف سعدی یارب اُس گل کو
پھلے پھولے زمانہ میں گلستاں بوستاں ہو کر — اکبر الٰہ آبادی

اثر فلک سے اُتر آ ذرا خدا کے لئے
کہ ہم نے ہاتھ اٹھائے ہیں اَب دعا کیلئے — نامعلوم

دے حسن کو عشق صبر بھی اے ذوالجلال دے
کر رحم بھی عطا جسے حُسن و جمال دے — نیّر

دل میں بیٹھا ہے یہ خوف اُس بت کا
ہاتھ اُٹھائے کہ دعا بھول گیا — نظار امروہوی

پیشِ نظر کہ پردۂ دل میں نہاں رہو
اے میری جان شاد رہو تم جہاں رہو — محشر لکھنوی

رسم دنیا نہ بھی فرض ادا کرتے ہیں
ہاتھ اُٹھے یا نہ اُٹھے دل سے دعا کرتے ہیں — نامعلوم

مانگا کرینگے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ — مومن دہلوی

درگذرے دوا سے تو بھروسے پہ دعا کے
درگذریں دعا سے بھی ہے دعا ہے یہ خدا سے — حالی

درگاہ میں کریم کے ہے التجا قبول
دستِ دعا بلند تو کر ہے دعا قبول — آتش

کیا ہاتھ اُٹھے۔ ہاتھ اُٹھا بیٹھے دعا سے
اُٹھ جائے تو ہاں دستِ دعا اور ہی کچھ ہے — ریاض خیرآبادی

درگذر۔ رواداری

ٹکراتے ہیں سچ بات کو وہ ضد سے مگر ہم
چُپ رہتے ہیں سن کر انہیں جھوٹا نہیں کرتے — نامعلوم

دیا ہے دل اگر اُس کو بشر ہے کیا کہیئے
ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہیئے — غالب

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیئے — ”

جفا کی اِن بتوں نے یا وفا کی
دیا دل اب تو جو مرضی خدا کی — داغ

جھگڑتے تجھ سے پیارے حجاب آتا ہے
وگرنہ بات کا تیری جواب آتا ہے — بسمل اکبرآبادی

اے خالِ رُخِ یار تجھے ٹھیک بناتا
جا چھوڑ دیا حافظِ قرآن سمجھ کر — نامعلوم

ہمیں یہ شرم رسوا، مانعِ ترک محبت ہے
کہیں گے خود غرض تھے چار دن کی آشنائی تھی — رسوا بریلوی

رباعی

فتنہ کو جہاں تاک ہو دیجئے تسکیں
زہر اُگلے کوئی تو کیجئے باتیں شیریں
غصہ غصہ کو اور بھڑکاتا ہے
اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں — حالی

رقیب رقابت

رشک فتحپوری	رقیبِ روسیہ کا کام ہے کیا کوئے جاناں میں	نکالو اس کو شیطاں ہی یہ جنت میں گھسا کیوں ہے
اکبر میرٹھی	رقیبِ روسیہ بیٹھا ہے اُس گل رُو کے پہلو میں	خدا کی شان ہے پھولوں میں کانٹا ہو ہی جاتا ہے
〃	آ لگی غیروں کی ٹٹی میرے انکے درمیاں	یا الٰہی توڑ دے بنیاد اس دیوار کی
نامعلوم	اور روسیہ رقیب تو ڈر میری آہ سے	بجلی کو لاگ ہوتی ہے رنگِ سیاہ سے
جوہر فرخ آبادی	نہ آجایا کرو، اغیار کی الفت جتانے میں	وہ تم پر کیوں بھلا مرنے لگے فاقوں سے مرتے ہیں
موج	دم اس قدر نہ بھریئے دشمن کی دوستی کا	مطلب کی ہے یہ دنیا کوئی نہیں کسی کا
ذکی امروہوی	گرم غیروں پر ہوئے اچھا کیا	آج تم نے دل مرا ٹھنڈا کیا
بیخود دہلوی	دیکھے اس وقت کوئی ان کو مری آنکھوں سے	گالیاں غیر کو جب ہو کے خفا دیتے ہیں
قیصر	صرف یہ ڈر ہے کہ دھوکا نہ ہو سرکار کے ساتھ	ورنہ کچھ دشمنی مجھ کو نہیں اغیار کے ساتھ
داغ	جسکے پہلو میں ہو تم اُس کا نصیب اچھا ہے	میری دانست میں تم سے بھی رقیب اچھا ہے
ہمدم	کہو تو آپ کے کہنے سے کہدوں غیر کو اچھا	مگر سوچو بلا لائیگا کہاں تک ہاں میں ہاں کوئی
خورشید	تمہیں اُن سے غرض ہو تو تمہیں اچھا بُرا دیکھو	ہمیں کیا کام غیروں کی بُرائی سے بھلائی سے
ذوق	پہنچا ہے شب کمند لگا کر وہاں رقیب	سچ ہے حرامزادے کی رسّی دراز ہے
اکبر الٰہ آبادی	کہا جب غیر کو کیوں تو نے اے گلرو پھنسایا ہے	تو بولا دل لگی کے واسطے اُلّو پھنسایا ہے
امیر مینائی	رقیبوں سے وہ خوش رقیب اُن سے راضی	بُرا کہہ کے میں کیوں ہوں دشمن کسی کا
غالب	رات کے وقت مے پئے ساتھ رقیب کو لئے	آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں
میر تقی میر	آٹھوں پہر لگا پھرے ہے وہ تمہارے ساتھ	کچھ ان دنوں میں غیر بہت یار ہو گیا
مفتون دہلوی	جس بزم میں حسین ہیں اغیار ہم نشیں ہیں	ہر گل کے پاس پیدا اک خار کر دیا ہے
غالب	درپردہ انہیں غیر سے ہے ربطِ نہانی	ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے

رشک حسد

آتشِ رشکِ عدو خاک کریگی ہم کو	لاگ کی آگ بُری ہوتی جلنے کے لئے	داغ
رشک سے غیروں کے جی کھوتے ہیں	کیا بُروں کی جان کو روتے ہیں ہم	داغ
جتنے تھے محفل میں تھا سب سے تپاک او اختلاط	ایک ہم کمبخت گویا واں گنہگاروں میں تھے	امین عظیم آبادی
بھولے سے بھی نہ جانبِ اغیار دیکھنا	شرطِ وفا یہی ہے خبردار دیکھنا	تسلیم لکھنوی
غیروں کے گھر نہ رات کو مہمان جائیے	کہنا مرا خدا کے لئے مان جائیے	ریاض
نہ کیونکر رشک آئے ہم کو ان لوگوں کی قسمت پر	وہاں جن کی رسائی ہو وہاں جو آتے جاتے ہیں	رسا
ہم نہ پہنچے اپنے مطلب کو نہ پہنچے پر خدا	یہ نہ سنوائے کہ مطلب غیر کا حاصل ہوا	شہیدی
فرقت قبول رشک کے صدمے نہیں قبول	کیا آئیں ہم رقیب تری انجمن میں ہے	مہیمن سنگھ ناوراد
دشمن کو مری گور پہ لانا نہیں اچھا	مُردے کو مسلماں کے جلانا نہیں اچھا	محمود دہلوی
ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے	مرتے ہیں ولے اُن کی تمنا نہیں کرتے	غالب
تمہیں انصاف سے کہدو کہاں تک یہ ستم دیکھیں	رہو تم غیر کے پہلو میں اور آنکھوں سے ہم دیکھیں	نامعلوم
گل و بلبل ہنسیں بولیں صبا سے بھی ہو سرگوشی	ہمیں سے سب کھٹکتے ہیں ہمیں ہیں خار گلشن میں	جلیل مانکپوری
تم رہو غیر رہے تم کو مبارک عشرت	ہم چلے جائینگے محفل سے ہمارا کیا ہے	نامعلوم
ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم	منھ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم	مومن دہلوی
غیر کو بوسے عنایت ہوں یہ قسمت اس کی	گالیاں ملتی ہیں مجھ کو یہ مقدر میرا	ہرمز فرزند واجد علی شاہ
بزم میں دیکھا ہے کس حسرت سے میں نے سوئے دوست	مجھ کو دشمن سے گلے مل کر جو آئی بوئے دوست	داغ
محروم ہم ہوں، محرمِ اسرار ہو کوئی	خلوت میں ہو کوئی پسِ دیوار ہو کوئی	احسن
آنکھیں سکیں غیر اس بُت سے دلِ مضطر جلے	وائے بے دردی کوئی تاپے کسی کا گھر جلے	شاد لکھنوی
مٹ چکی ان کی اداسی آچکی ان کو ہنسی	میرے گھر آئے ہیں رونے غیر کی تقدیر کو	ریاض خیرآبادی

رخصتِ یار

خورشید
جدائی کے صدموں کو ٹالے ہوئے ہیں
چلے جاؤ ہم دل سنبھالے ہوئے ہیں

جلیل
جاتے ہو خدا حافظ ہاں اتنی گذارش ہے
جب یاد ہم آجائیں ملنے کی دعا کرنا

وزیر
تھام لوں دل کو ذرا ہاتھوں سے
ابھی پہلو سے نہ اُٹھ جائیے گا

مائل دہلوی
جاتے ہو تو جاؤ مُڑ مُڑ کر نہ دیکھو اِس طرف
یہ ستم ہم پر نہ ڈھاؤ یاد آنے کے لئے

تنہا
دل بہر رہیں گی نقش یہ بے مہریاں تری
جانا اور اس طرح سے کہ مڑ کر نہ دیکھنا

جرأت
تم تو فرماتے ہو کہ گھر جائیں
ہم کو کہہ دو کہ ہم کدھر جائیں

بیخود دہلوی
مت یہ گھبرا کر کہو اب یاں سے بندہ جائیگا
کوئی مرجائے گا صاحب آپ کا کیا جائیگا

سیل فیض آبادی
نہ یوں روٹھ کر قصد جانے کا کیجئے
گلے مل کے وعدہ پھر آنے کا کیجئے

حالی
ابھی آئے ہو ابھی مجھ سے ہے رخصت کا سوال
ہاں یہ کہئے کہ کسی اور سے وعدہ ہوگا

صفدر رامپوری
نہیں بھولتا اُس کی رخصت کا وقت
وہ رو رو کے ملنا۔ بلا ہو گیا

نامعلوم
بے چین کر رہا ہے کیا کیا دل و جگر کو
ہر دم کسی کا کہنا جاتے ہیں ہم تو گھر کو

رسا
عمر سے مل کے کبھی بھول نہ جانا سرکار
وعدے کیا کیا کئے جاتے ہو ذرا یاد رہے

جلیل
جانے کی جو ضد ہے تو مجھے زہر دئے جا
اتنا تو کہا مان لے۔ اتنا تو کئے جا

اُٹھ گئے آپ جو پہلو سے قیامت آئی
مل گیا درد کو پہلو مرے تڑپانے کا

غالب
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

آتش
نکلتی کس طرح ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ
ہمارے پاس سے جاؤ تو پھر کر دیکھتے جاؤ

نامعلوم
جب میں اُٹھتا ہوں تو سینے سے لپٹ جاتے ہیں
کس کا دل لائیں انہیں چھوڑ کے جائیں کیونکر

اکبر الٰہ آبادی
ذرا سی دیر بھی ہو جائے گی تو کیا ہوگا
گھڑی گھڑی نہ اُٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف

داغ
چلے ہو لیکے دل ہمراہ تو آنا یہاں پھر بھی
کرم کرنا ہمارے حال پر اے مہرباں پھر بھی

جانے کی ضد ہے جاؤ اب دیر کس لئے ہے
گزرے گی جس طرح سے ہم بھی گذار دیں گے
نامعلوم

آئے نہ تھے کہ جانے کے سامان ہو گئے
سرکار آپ تو میرے اوسان ہو گئے
"

دمِ رخصت کہا میں نے یہ صورت پھر بھی دیکھیں گے
تو کس انداز سے ہنس کر کہا دیکھیں خدا جانے
"

جان پر ہم بھی کھیل بیٹھے ہیں
اُٹھ کے پہلو سے جائیے تو سہی
مشتری

چشمِ حسرت سے نہ اُن کو وقتِ رخصت دیکھنا
میری جانب اے ہجومِ یاسِ فرقت دیکھنا
تسلیم

کچھ تسلی تو دلِ زار کی کرتے جاؤ
تم نہ آؤ مگر اقرار تو کرتے جاؤ
امیر مینائی

یہ رشکِ بد بلا ہے دمِ رخصتِ حبیب
کیوں کر کہوں خدا ہے نگہبان جائیے
"

وعدۂ وصل اُسے جانکے خوش ہو جاؤں
وقتِ رخصت بھی اگر ہاتھ ملائے کوئی
داغ

دم نکلتا ہے ذرا ٹھہر کے جانا صاحب
آخری وقت تمہیں ایک نظر دیکھیں گے
فصاحت

آپ نے یہ کیا کہا گھر جائیں رخصت دیجئے
آپ کا گھر تو مری آنکھوں میں ہے میرے دل میں ہے
قیصر دہلوی

یہ سن لو اور جاؤ، ہے اگر مدِ نظر جانا
تمہیں آتا ہے گھر جانا ہمیں آتا ہے مر جانا
دلیر

الجھن بھی تھی اضطراب بھی تھا کاہش بھی تھی درد تھا
جانا تمہارا رات قیامت ہوا مجھے
نامعلوم

دمِ رخصت زباں تو کھل نہ سکی
دل کی باتیں ہوئیں نگاہوں میں
"

مگر اخفائے رازِ عشق تھا مدِ نظر تجھ کو
دمِ رُخصت تر آنکھیں چُرانا میں نہ سمجھا تھا
ثاقب اکبرآبادی

انہوں نے جانے کی ٹھانی تو روکنا ہے فضول
اُٹھے ہیں جب تو کسی کے بٹھائے بیٹھے ہیں
رنجور عظیم آبادی

کرکے آئے تھے یہ ساماں مرے تڑپانیکا
نام آتے ہی لیا آپ نے گھر جانے کا
حبیب لکھنوی

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور
غالب

پہلوئے یار سے اُٹھنے کو اُٹھے تو لیکن
درد کی طرح اُٹھے گر پڑے آنسو کی طرح
تجمل محمود آبادی

جاؤ سدھارو میری جاں تم پر خدا کی ہو اماں
بچھڑے ہوئے ملیں گے پھر قسمت نے جب ملا دیا

یہ تمہارے ہی دم سے ہے بزمِ طرب ابھی جاؤ نہ تم نہ کرو یہ غضب
کوئی بیٹھ کے لطف اُٹھائے گا کیا۔ جو رونقِ بزم تمہیں نہ رہے

روٹھنا منانا

مصحفی — کیوں روٹھ گیا مجھ سے مرا یار الٰہی / کیوں آنکھ ملاتا نہیں وہ کچھ تو سبب ہے

جالب — سر اُٹھاؤ بُت بنے بیٹھے ہو کیوں / مانو مَن جاؤ۔ خدا کو مان کر

ذوق — عبث تم اپنا بناوٹ سے منہ بناتے ہو / وہ آئی لب پہ ہنسی دیکھو مسکراتے ہو

راحت اندوری — نہ بگڑو بہت اب بناوٹ سے تم / وہ ہونٹوں پہ دیکھو ہنسی آگئی

انشا — اچھا جو خفا ہم سے ہو تم اے صنم اچھا / لو ہم بھی نہ بولیں گے خدا کی قسم اچھا

〃 — چھیڑ کا لطف تو جب ہے کہ کہو اور سنو / بات ہیں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو

امیر مینائی — اُٹھو گلے سے لگا لو۔ مٹے گلہ دل کا / ذرا سی بات میں ہوتا ہے فیصلہ دل کا

داغ — تم روٹھ جاؤ ہم سے تو ہم منتیں کریں / ہم روٹھ جائیں تم سے تو ہم کو منائے کون

غالب — بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں / پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے

بیخود دہلوی — بگڑنا روٹھنا، وہ ان کا وہ میرا منا لینا / مگر یہ کس طرح کیونکر اشاروں میں اشاروں سے

نامعلوم — رات بھر روٹھے رہے خوب مجھے تڑپایا / اب تو مل جاؤ گلے سے کہ سحر ہوتی ہے

اکبر میرٹھی — تھوک دو غصہ پھر ایسا وقت آئے یا نہ آئے / آؤ مل بیٹھو کہ دو دو باتیں کرلیں پیار کی

سودا — ہے روٹھنے میں روز مزہ یار سے لڑ کر / ملتے ہیں تو پھر چھاتی سے چھاتی کو رگڑ کر

تصویر دہلوی — آج کی شب نہ خفا ہو ترے قرباں ہم سے / کل تو لیوے ہی گی بدلا شبِ ہجراں ہم سے

جلال — نہ منے روٹھ کے شب کو کسی تدبیر کے ساتھ / وہ بھی بگڑے ہے بگڑی ہوئی تقدیر کے ساتھ

قیصر دہلوی — آپ روٹھے ہیں خدا تو نہیں روٹھا ہم سے / اپنے بندوں کا ہے وہ پوچھنے والا کیسا

ریاض خیرآبادی — چھیڑ کیسی بات کہتے روٹھے جاتے ہیں ریاض / ایک حسیں ہر وقت ہو اُن کے منانے کے لئے

حالی — بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ / ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائیگا

حسن بریلوی — مرا سر ان کے قدموں پر ہے وہ دامن چھڑاتے ہیں / الٰہی کس طرح دنیا میں روٹھوں کو مناتے ہیں

قطعہ

کیوں خفا ہیں حضور کیا باعث　　کچھ خطا۔ کچھ قصور کیا باعث　　نازوالی خیرپور سندھ

دل تو کیا آنکھ بھی نہیں ملتی　　مجھ سے رہتے ہو دور کیا باعث

تین دن کے بعد ہے کینہ مسلماں کو حرام　　آؤ مٔن جاؤ لڑائی ہو چکی جانے بھی دو　　قیصر دہلوی

چاہے اب دیکھ لو خفا ہو کر　　ہم بھی ہرگز نہیں منانے کے　　گستاخ رامپوری

اگر تقدیر سیدھی ہے تو خود ہو جاؤ گے سیدھے　　خفا بیٹھے رہو تم کو منانے کون آتا ہے　　مضطر خیرآبادی

کب تک کھنچے رہو گے کب تک تنی رہیگی　　کس کی بنی رہی ہے کس کی بنی رہیگی　　داغ

لے چلا جان مری روٹھ کے جانا تیرا　　ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا تیرا　　"

ایسی ضد ہے تو نہیں کون منائے یارب　　اس پہ مچلے ہیں کہ کوئی مجھے کیوں یاد آیا　　ریاض خیرآبادی

آکے تربت پہ میری کہتے ہیں لو اٹھ بیٹھو　　اب تو مدت ہوئی ہم تم کو ستاتے بھی نہیں　　نامعلوم

رات کو ٹھہرانا

میں نے کہا جو اُن سے کہ شب کو یہیں رہو　　آنکھیں جھکا کے بولے کہ کس اعتبار پر　　صفدر رامپوری

بات کرنے میں گذرتی ہے ملاقات کی رات　　بات ہی کیا ہے جو رہ جاؤ یہیں رات کی رات　　بیخود دہلوی

آج آئے ہو تو رہ جاؤ صنم رات کی رات　　لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات　　قدر دہلوی

یہ نہیں کہتے یہیں رہ جاؤ اب تم رات کو　　بس ان ہی باتوں سے اکبر میرا جل جاتا ہے دل　　اکبر الہ آبادی

رونا باعث تسکین و قرب الٰہی ہے

رونے کے بعد روح کو ہوتا ہے انبساط　　لذت چھپی ہوئی ہے غم روزگار میں　　نامعلوم

خود سمجھتا ہوں کہ رونے سے بھلا کیا حاصل　　پر کروں کیا۔ یوں ہی تسکین ذرا ہوتی ہے　　اکبر الہ آبادی

نالہ کر لینے دیں للہ نہ چھیڑیں احباب　　ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے　　"

جس آنکھ کے پردے میں چھلکتے رہیں آنسو　　دراصل وہ چشمۂ انوار خدا ہے　　نامعلوم

رازونیاز (دیکھئے اختلاط حصۂ اول)

بیخود دہلوی	بلائیں لے کے پوچھا ہم نے ان سے کہئے کیا سمجھے	وہ پہلے مسکرائے پھر کہا تجھ سے خدا سمجھے
اکبر الٰہ آبادی	کچھ آج علاجِ دلِ بیمار تو کرلیں	ای جانِ جہاں آؤ ذرا پیار تو کرلیں
"	اگر ملنا نہیں منظور آنکھیں کیوں ملاتے ہو	یہ تڑپانے سے حاصل فائدہ بے چین کرنے سے
"	بنتے ہو میری جان تو آبیٹھو گود میں	تم جانتے ہو روح کو قالب ضرور ہے
"	بے تمہارے دیکھے اب دم بھر بھی چین آتا نہیں	سچ بتاؤ جانِ جاں تم نے مجھے کیا کردیا
داغ	چاہ سے آپ کو تو نفرت ہے	مجھ کو چاہے خدا کرے کوئی
"	جن کو عشق وحسن کے دعوے ہیں ان کے واسطے	دل ہمارا چاہئے صورت تمہاری چاہیئے
ریاض	یہ مجھ پر کسے آج پیار آگیا	یہ کون آگیا میری آغوش میں
نظام رامپوری	دیکھا جو رُکا رُکا مجھے تو کس تپاک سے	گردن میں میری ڈال دئے آکے ہاتھ
دلاور	تم دور رہو اور یہ بے چین نہ ہو جائے	اپنا سا سمجھتے ہو مری جاں مرے دل کو
داغ	یہ تو نہیں کہ تم سا جہاں میں حسیں نہیں	اس دل کو کیا کروں یہ بہلتا کہیں نہیں
منتظر امروہوی	جتنا بھی چاہیں ناز کریں اپنی جبت پر	وہ ہاتھ جو گلے کا ترے ہار ہوگئے
نامعلوم	مقصد تمہارے ہاتھ ہے قسمت خدا کے ہاتھ	جو کچھ خدا سے ہو وہ تمہاری زباں سے ہو
امیر مینائی	راز کیا عاشق ومعشوق کے غیروں پر کھلیں	صلح آنکھوں میں ہو آنکھوں میں لڑائی ہوجائے
بشیر دہلوی	آپ کی چشمِ عنایت مجھ پر گر ہوجائیگی	زندگی آرام سے میری بسر ہوجائیگی
میر مہدی مجروح	تم بھی چوری کو یقین ہے نہ کہوگے اچھا	اب ہمیں دیکھ کے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
غالب	تم جانو تم کو غیر سے جو رسم وراہ ہو	مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
ریاض خیرآبادی	ہیں دستِ شوق پیار سے گردن میں ڈالدو	کہتے ہیں وہ گلے کا مرے ہار کیا ہوا
"	ہم گذری ہوئی یاد دلاتے ہوں کسی کو	منہ پھیرے ہوئے کوئی ہمیں کوس رہا ہو

رمز و کنایہ

غیر سے مل کر اُنہیں ناحق ہوا میرا خیال	مجھ سے کیا مطلب بھلا میں کیوں خفا ہونے لگا	حسرت موہانی
مہمان کہیں جانے کو ہیں آپ بھی تیار	بس لیجئے سلام اپنا بھی وعدہ ہے کسی سے	داغ
لو رہنے دو تسکین کیلئے غیر کی تصویر	شاید جو نہوں میں تو ضرورت ہو کسی کی	"
یہ گردش ہے نصیبے کی یہ چکّر ہے مقدّر کا	کسی کو یاد کیوں رہنے لگا رستہ مری گھر کا	بیخود دہلوی
عدو جھوٹا ہے ہم جھوٹے ہیں یہ نیچی نظر جھوٹی	تمہارے سامنے کوئی بھی سچا ہو نہیں سکتا	"
مر مٹا کوئی بلا سے تم تو غیروں سے ملے	تم تو سچے ہو گئے وعدہ تو پورا ہو گیا	دولھا
تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی	چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی	حسرت دہلوی
ہم بتا دیں غیر کے ملنے کی تدبیر آپ کو	گر پڑو پاؤں پہ جا کر مہرباں ہو جائے گا	حیا "
پھیریگا دن ہمارے بھی آخر خدا کبھی	ظالم کبھی ہے رات بڑی دن بڑا کبھی	احسن مارہروی
تم سلامت رہو گھر غیر کا آباد رہے	تم کو کیا شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے	بیدم اکبرآبادی
کہنے کی بات یہ نہیں۔ قابل غور ہے مگر	آپ ہی سوچ لیں ذرا اتنا میں کیوں بدل گیا	تسکین قریشی
سچ ہے تمہیں کسی سے نہ مطلب نہ کچھ غرض	دن رات گھر میں غیر کے مہماں نہیں تو ہیں	تسلیم لکھنوی
آپ کا حال جو غیروں نے کہا ہے مجھ سے	کان ہیں میرے گنہگار کہوں یا نہ کہوں	داغ
ظاہر میں اختلاط کی باتیں ہوا کریں	دل میں اگر نہیں ہے محبت نہیں سہی	"
گھر کے دھندوں میں کبھی ہیں بزم دشمن میں کبھی	ان کو فرصت ہی نہیں آئیں گے کیا جائینگے کیا	نامعلوم
نہ جب زندگی بھر کبھی آپ آئے	پسِ مرگ بھی آ کے کیا کیجئے گا	قوی امروہوی
کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا	بس چُپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے	غالب
غیر کی سوگواریوں سے کھلا	وصل ہی میں وصال ہے شاید	تازہ والی خیرپوری
نیند آنکھوں میں بھری ہے کہاں رات بھر رہے	کس کے نصیب تم نے جگائے کدھر رہے	جوہر فرخ آبادی

رازِ الفت

ریاض خیرآبادی	ابھی چپ ہوں محشر میں افشا کرونگا	حسینوں کے رازِ نہاں کیسے کیسے
امیر مینائی	کیوں نہ منصور دار پر کھنچتا	رازداری کا حق ادا نہ ہوا
زکی دہلوی	بنیں کیوں حضرتِ موسیٰ کی بیتابی کے ہم پردہ	کہ رازِ دل زباں پر آئے اور افسانہ ہوجائے
میر مجروح	کیا مزا جب اور واقف ہوگئے	لذتِ دردِ نہانی اور ہے
آتش	رازِ دل افشا نہ ہو اے دل کہے دیتا ہوں میں	چھوڑ دوں گا آنکھ اگر آنسو نظر آیا مجھے
داغ	پوشیدہ جب ہو راز کہ منہ میں زباں نہ ہو	ہم بات بھی کریں تو بغیر از فغاں ہو
"	اس میں بھی کوئی بھید ہے تم جانتے نہیں	کہتے ہیں ایک ایک سے کیوں دل کا راز ہم
نامعلوم	چاہنے والوں سے یہ بات بنانا کیسا	رازداروں سے بھلا راز چھپانا کیسا
نسیم عظیم آبادی	تم غیر کے عیبوں کو کیوں مجھ سے چھپاتے ہو	کہنا نہ حقیقت کا۔ یہ بھی ہے ہنر کوئی
راز رامپوری	دیکھ افشا کہیں الفت کا تری راز نہ ہو	اس طرح دل کو مرے توڑ کہ آواز نہ ہو
مس گوہر جان	پوشیدہ گر کرے کوئی چاہت تو کیا مجال	چھپتی نہیں ہے آنکھ کسی پر لگی ہوئی
شاہ ظفر	لاکھ چاہت کو چھپائے کوئی پر چھپتی نہیں	پیار کی آنکھ اور الفت کی نظر چھپتی نہیں
نامعلوم	ظاہر ہے بے بیاں کئے رازِ نہانِ دل	نالہ زبانِ حال سے ہے ترجمانِ دل
حالی	تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط	الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا
سرشار کیمنڈوی	دل میں پوشیدہ رہے راز محبت کیونکر	بند کس طرح کرے کوزے میں دریا کوئی
بیخود دہلوی	عدو کی بزم میں رازِ محبت کھل گیا آخر	کہا تھا کس نے تم سے مسکرا کر ہم ادھر دیکھو
داغ	اخفائے رازِ عشق کی عادت بھی بری ہے	ہم نے ہمیشہ حال چھپایا طبیب سے
لطف اکبرآبادی	ڈھکا رہ جائے اسرارِ محبت تو غنیمت ہے	ہوا ہے اب حکیموں میں مرے آزار کا چرچا
قدی امروہوی	رازِ الفت اے دلِ بے تاب افشا کر دیا	خود بھی رسوا ہو گیا مجھ کو بھی رسوا کر دیا

رازِ دل

بشر رازِ دلی کہہ کر ذلیل و خوار ہوتا ہے | نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بیکار ہوتا ہے | نامعلوم
جاتی ہے دور بات نکل کر زبان سے | پھرتا نہیں وہ تیر جو نکلا کمان سے | ״
اپنا دُکھڑا ہر جگہ۔ ہر جا نہ رونا چاہیئے | حالِ دل کہنے کو اِک نادان سلیقہ چاہیئے | ״
کُھل گیا جب راز تو اخفا کئے سے فائدہ | اُٹھ گیا پردہ تو پھر کیا پردہ داری چاہیئے | ״
جو پیٹ کے ہلکے ہیں تھمے بات کب ان سے | رکیں تو اُپھر جائے شکم اور بھی زیادہ | ذوقؔ

روزہ (دیکھیئے ماہِ صیام حصۂ سوم)

اب تو اکبر بارہے ہم پر نمازِ عید بھی | تم اگر رکھ سکتے ہو روزہ خدا روزی کرے | اکبر الہ آبادی
بھاتا ہے بھوک پیاس سب کچھ سہنا | اور روزے میں انتظارِ مغرب رہنا | رباعی | انشا
آپس میں سحرگہی کی چُہلیں اور پھر | بالصومِ غدٍ نویت اُن کا کہنا
تیس دن خوب رہا۔ فاقہ کشی کا پردہ | ہو گئی عید جو روزے رمضاں کے آئے | حفیظ جونپوری
افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو | اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے | غالب
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو | روزہ اگر نہ کھائے تو لاچار کیا کرے | قطعہ
کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی | آپ اکثر رمضاں ہی میں سفر کرتے ہیں | حالی
جنابِ شیخ نے کر ڈالے خم کے خم خالی | بنا کے آئے ہیں اب روزہ دار کی صورت | نامعلوم
منعم جو نام سے بھی نہ واقف ہو بھوک کے | آسودگی و عیش کی کیا قدر کر سکے | سراج الدین احمد
شکرِ خدا کی اس کو ضرورت ہی کیا پڑے | احسانِ حق کی یاد سے کیا کام ہو اُسے | صاحب

روزہ قدرِ لذتِ نعمت بتائے ہے
روزہ ہی شکرِ حق کا سبق یوں پڑھائی ہے

رُسوائی - بدنامی

نامعلوم	میں وہ ہوں بدنام اے پردہ نشیں	جس کو چاہا اُس کی شہرت ہوگئی ۔
〃	اے زبان خلق تو نے کیا کیا	ساتھ میرے ان کو بھی رسوا کیا
〃	جس جگہ بیٹھے مرا چرچا کیا	خود ہوئے رُسوا مجھے رُسوا کیا ۔
داغ	دیکھئے کرتی ہے رسوائے زمانہ کیا کیا	مجھ کو یہ چاہ مری تجھ کو یہ صورت تیری
〃 ی	قابلِ رحم ہے اُس شخص کی رسوائی بھی	پردے پردے ہی میں کم بخت جو رسوا ہو جائے
بیت وجاہت جھنجھانوی	بے طرح رسوا ہوا ہوں عشق میں	دور تک میری کہانی جائے گی ۔
نامعلوم	مثلِ مجنوں جب تلک لیلیٰ کا شیدائی نہ ہو	عشق وہ کس کام جس میں کہ رسوائی نہ ہو
بیدم اکبر آبادی	خوب رسوائے زمانہ ہم ہوئے	دل لگانے کی نصیحت ہوگئی
جلیل	میری بدنامی سے تم کو خوش نہ ہونا چاہیئے	قیس رُسوا تھا تو کیا لیلیٰ کی رسوائی نہ تھی
اکبر الہ آبادی	لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہیئے	کہہ دو بے اس کے جوانی کا مزا ملتا نہیں
رونق میرٹھی	مجھ سے چھپ چھپ کر کہاں آتوں کو جاتے ہیں جناب	رفتہ رفتہ میں تو کیا سب کو خبر ہو جائے گی
راسخ عظیم آبادی	دشمنی در پردہ کی اے وائے تم نے کیا کیا	آپ تو پردے میں بیٹھے اور ہمیں رُسوا کیا
مومن	ہوگئی گھر میں خبر ہے منع واں جانا ہمیں	وہ بھی رسوا ہو خدا جس نے کیا رسوا ہمیں
قیصر دہلوی	رسوائیاں ہنوں مری بدنام تُو نہ ہو	پردے کی بات پردہ میں پردہ نشیں رہے ۔
غالب	کھُلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ	شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے
〃	کیا غم خوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو	نہ لائے تاب جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو
〃	کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی	بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو
〃	رسوائے دہر گو رہے آوارگی سے ہم	بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہوگئے
	ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا	نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

روشنیِ طبع تو برمن بلا شدی

لے گئے سمجھ کے تبرک لحد کی خاک	اعمالِ نیک نے مری مٹی خراب کی	کامل لکھنوی
خوشنوائی نے رکھا ہم کو اسیر اے صیاد	ہم سے اچھے رہے صدقہ میں اُترنے والے	داغ
اگر یہ جانتے چُن چُن کے ہم کو توڑیں گے	تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے	ذوق
ہے وصل میں بھی ہجر کا دھڑکا لگا ہوا	ہوں آپ اپنی فہم رسا سے عذاب میں	بسمل دہلوی
خوبصورت نہو کوئی تو نہ ہو بدنامی	سچ تو یہ ہے کہ بُرا ہوتا ہے اچھا ہونا	تسکین دہلوی
اے حُسن تیری وجہ سے وہ کشمکش میں ہیں	لاکھوں ہیں دستِ شوق ہزاروں کنارِ شوق	نامعلوم
کثرت سے عاشقوں کی وہ گھبرائے اس قدر	قرآں اٹھا رہے ہیں کہ بندہ حسیں نہیں	اکبر الہ آبادی
بخت مغزانِ جنوں سے ہر کسی کو جنگ ہے	جو ثمر پکا سو پامالِ جفائے سنگ ہے	ہدایت شاہجہاں آبادی

راہ و رسم

نیازِ خادمانہ ہے وہی فضلِ الٰہی سے	بتوں کی ناز برداری جو آگے تھی سو اب بھی ہے	آتش
راہ بران کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں	اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں	داغ
اب کہاں اگلے سے وہ راز و نیاز	مل گئے صاحب سلامت ہو گئی	اکبر الہ آبادی
کوئی موقع نکل آئے کہ بس آنکھیں مل جائیں	راہیں پھر آپ ہی کرے گی جوانی پیدا	"
سرسری ان سے ملاقات ہے گاہے گاہے	محفلِ غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے	نامعلوم
سامنے بھی کبھی آ جائیں گے اتنا تو ہوا	جلوہ دکھلانے لگے وہ پسِ چلمن اپنا	"
آؤ تو دل لو جانے لگو تم تو جان لو	باز آیا میں حضور کے اس رسم و راہ سے	"
ہوتے ہوتے بس کم اتنی رسمِ الفت رہ گئی	اُن سے ہم سے دُور کی صاحب سلامت رہ گئی	شفق عماد پوری
دیکھ بھی لینا ہمیں راہ میں اور کیوں صاحب	ہم سے منھ پھیر کے جانا یہ بھلا یاد رہے	ذوق

رحم و کرم۔ شانِ غفّاری و ستّاری

سائل دہلوی	جب سے سنا ہے غلغلۂ عفوِ الٰہ کا	ہے عرش پر دماغ ہمارے گناہ کا
داغ	اُمیدوارِ رحمتِ باری ہوں اس قدر	ہوتا ہوں میں شریک پرائے گناہ میں
میر مجروح	کیا ہماری نماز کیا روزہ	بخش دینے کے سو بہانے ہیں
جلیل	دوڑ زاہد کہ قیامت میں قیامت آئی	داخلِ خُلد گنہ گار ہوئے جاتے ہیں
شفق رضوی	گناہوں کی ندامت پر گنہ گاروں کی حالت پر	خدا کو رحم آیا اور واعظ کو عتاب آیا
ہمدم	ہمدم مرے گناہوں کو بخشے گا وہ کریم	محشر میں رٹ لگاؤں گا جب یا غفور کی
ریاض	بے خیال بندگی بابِ عنایت کھل گیا	رنج میں میں نے رجوعِ قلب جب دم بھر کیا
بیخود دہلوی	تری پردہ داری کے قربان جاؤں	یہ میری خطائیں چھپاتی ہے کیا کیا
مفتوں ״	یہاں بھی بندہ عاصی کی وہ ہی لاج رکھتا ہے	وہاں بھی وہ ہی مجرم کا پردہ پوش ہوتا ہے
امیر مینائی	شرم آتی ہے گناہوں سے اے پردہ پوشِ خلق	محشر میں جا کے شافعِ محشر سے کیا کہیں
״	دوزخ میں مجھ کو جھونک چکے تھے مرے عمل	قربان شانِ رحمتِ پروردگار کے
حیا دہلوی	اللہ رے دستگیری و پیدا کئے کی شرم	بخشا اسی کو جس نے سر اپنا جھکا دیا
تجمل محمود آبادی	مُقرِ گناہ کے اے کردگار ہم بھی ہیں	غفور تو ہے تو امیدوار ہم بھی ہیں
امیر مینائی	کرم کہ تیرے کرم کا امیدوار ہوں میں	گناہ گار ہوں یا رب گناہ گار ہوں میں
سالک	پسند اللہ کو کیا جانے کیا آ جائے اے زاہد	مجھے شرمِ گنہ تجھ کو تکبر ہے عبادت کا
اوج لکھنوی	کیوں میں جاتے ہوئے دوزخ میں نہ مُڑ کر دیکھوں	رحمتِ حق سے توقع کا ہے دعویٰ باقی
رند	ڈر غضب سے بھی جو آمرزش کا ہے امیدوار	نام ہیں قہار اور جبار بھی غفار کے
	کچھ غم نہیں جو پیش ہے دفتر قصور کا	عنوان نامہ نام ہے ربِ غفور کا
امیر مینائی	کہتے ہی یا کریم ادھر سے اُدھر گئے	لطف و غضب میں فاصلہ ہے کتنی دور کا

ریاکاری

خلافِ شرع کبھی شیخ تھوکتا ہی نہیں — مگر اندھیرے اُجالے پہ چُوکتا بھی نہیں — اکبر الہ آبادی

پیش آجائے جو مسجد تو نمازی بھی سہی — بُت جو موقع پہ ملیں دست درازی بھی سہی — "

خدا کے منکر بنی سے غافل کہاں کے پیر اور ملا صاحب — انہیں کے در پر جھکی ہے خلقت سلام صاحب سلام صاحب — "

پارسا بن کے ریاض آئے ہیں میخانہ میں — آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا — ریاض خیرآبادی

باندھ کر سبز عمامہ جو بھرا روپ ریاض — حضرتِ خضر سے اچھی رہی صورت میری — "

میری سج دھج تو کوئی عشقِ بتاں میں دیکھے — ساتھ قشقے کے ہے زنارِ برہمن کیسا — "

باطن کو دیکھئے تو سراپا فریب و مکر — ظاہر کو دیکھئے تو وہ کچھ جانتے نہیں — امیر مینائی

یا صنم دل میں ہے لب پر یا صمد ہر ریا — کفر اس ایماں سے بہتر جیسے اب دیندار ہیں — نامعلوم

شغل مے نے رنگ و روغن شیخ کا چمکا دیا — لوگ سمجھے ذکرِ حق سے شکل نورانی ہوئی — راز رامپوری

لباسِ خضر میں یاں سینکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں — اگر رہنا ہے دنیا میں تو کچھ پہچان پیدا کر — اظہر ہاپوڑی

اے زاہد ریائی - دیکھی نماز تیری — نیت اگر یہی ہے تو کیا ثواب ہوگا — صبا لکھنوی

ٹٹتے ٹٹتے اثر صدق و صفا کچھ نہ رہا — آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا — نامعلوم

سجدہ خدا کو کرتے ہیں دل میں بتوں کی یاد — نادم ہیں خود کہ پڑھتے ہیں کیسی نماز ہم — خورشید

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر — فعلِ بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر — انشا

جسقدر جھک جھک کے ملتے ہیں نیاز و عجز سے — کبر و ناز اتنا ہی اپنے میں سوا پاتے ہیں ہم — حالی

کونسا دام نہاں شیخ کے جامہ میں نہیں — پیچ ایسا بھی کوئی ہے کہ عمامے میں نہیں — جلال لکھنوی

تجھ سے بڑھ کر حق پرستی کی دکھاتا ہے بہار — کیا کروں آتی نہیں زاہد ریاکاری مجھے — صبی امروہوی

بعض مکار اپنا ظاہر گو بنا لیتے ہیں خوب — اور کھلتا ہے بمشکل ہو جو اُن کے دلنشیں

آزمانے پر مگر ہوتا ہے ظاہر اُن کا حال — جعلساز اُن سے زیادہ کوئی دنیا میں نہیں — ذہین

قطعہ

رند

امیر مینائی	سراپا جرم ہوں لیکن وہ رندِ پاک طینت ہوں	کیا زاہد نے میرے آبِ خجلت سے وضو برسوں
ریاض خیرآبادی	خدا دے رند ابھی مے اس کو شہد و شیر جنت ہو	جو رندِ صاف باطن ہو جو رندِ پاک طینت ہو
نامعلوم	رندانِ بے ریا کی ہے صحبت کسے نصیب	زاہد بھی ہم میں بیٹھ کے انسان ہو گیا
ثاقب بدایونی	امیدِ رحمت و شرمِ گناہ و خوفِ خدا	جو رند کرتے ہیں وہ پارسا نہیں کرتے
نامعلوم	ملا نہیں جو ظاہر و باطن میں فرق ہو	جو دل میں ہے وہی ہے ہماری زبان پر
رفعت	ملیں گے پھر نہ ایسے لوگ یہ صحبت غنیمت ہے	کہا مانو نہ جاؤ شیخ جی رندوں کی محفل سے
داغ	چار مل بیٹھے جہاں پھر وہی رنگ اور ترنگ	کچھ عجب لطف ہے رندانِ خرابات کے ساتھ
آزاد انصاری	حضرت آزاد ہم اک رند ہیں	پارسا یا نہ ریا سے کیا غرض
امیر مینائی	زاہد نگاہِ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ	کیا جانے اس کریم کو وہ ہے کہ تو پسند
توقیر لکھنوی	قلم سے شیخ کے نکلے کہ مے حرام نہیں	یہ دستخط نہ کرا لوں تو رند نام نہیں
نامعلوم	قدم رکھنا سنبھل کر محفلِ رنداں میں اے زاہد	یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں
ذوق	رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو	تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو
قیصر دہلوی	میں وہ مے کش ہوں کہ منہ چومتا ہوں واعظ کا	اس کے لب پر جو کبھی ذکرِ شراب آتا ہے
نامعلوم	اے بادہ کشو شیخ کی دستار نہ تاکو	آیا ہے تو بس جھونک دو بھٹی میں چچا کو
بیدار دہلوی	زاہد اس راہ نہ آ مست ہیں میخوار کئی	ابھی یہاں چھین لئے جبہ و دستار کئی
آفت سرہندی	تو اے شیخ یاروں سے الجھ اگر	سمجھ لے کہ شامت تری آ گئی
ناز ولی خیرپور (سندھ)	مری وضع نے بزمِ مے سے نکالا	کہ ساقی مجھے پارسا جانتا ہے
قاضی حمید الدین	واعظ ذرا سنبھل کے زباں کھولنا یہاں	مجلس میں رند بھی ہیں کبھی پارسا نہیں
حمید	اپنے سوا سمجھتا ہے تو سب کو کج خیال	قبلہ ترا مگر مگر ابھی سیدھا ہوا نہیں

زاہد (ریاکار)

قسم ہے تجھ کو زاہد کیا کرے گر آنکھ سے دیکھے — چھلکنا ساغرِ مے کا چھکنا بادہ خواروں کا — داغ

ہوا ہے چار سجدوں پر یہ دعویٰ زاہد و تمکو — خدا نے کیا تمہارے ہاتھ جنت بیچ ڈالی ہے — ″

کسی کی تو زاہد کو ہوتی محبت — بتوں کی نہ ہوتی خدا کی تو ہوتی — بے نظیر وارثی

اب نہ قینچی سی زباں ہے اور نہ لب پر ہجو مے — چپ کھڑے ہیں حضرتِ زاہد خدا کے سامنے — تجلی گلبرگہ

جامۂ احرامِ زاہد پر نہ جا — تھا حرم میں لیک نامحرم رہا — میر تقی

شیخ جو ہے مسجد میں ننگا رات کو تھا میخانہ میں — جبہ، خرقہ، کرتا، ٹوپی مستی میں انعام کیا — ″

خیالاتِ زاہد لو ہیں دور کے — مزے چل کے جنت میں لو حور کے — تاباں دہلوی

شیخ صاحب کبھی عقبیٰ کا بھی دھیان آتا ہے — کچھ وہاں کے لئے بھی کشف و کرامات رہے — صبا لکھنوی

رندوں میں جب آتا ہے یہ دون کی لیتا ہے — زاہد کی مٹا دیتا اتنی سی کسر کوئی — رنجور عظیم آبادی

یہ شیخ جی جو مصلےٰ بچھائے بیٹھے ہیں — بتوں کی یاد میں آسن جمائے بیٹھے ہیں — ″

کسی پر مرمٹے ہوں گے مئے گلگوں بھی پی ہوگی — جوانی میں جنابِ شیخ نے کیا کچھ نہ کی ہوگی — گل حیدرآبادی

مصلےٰ پر تو بیٹھا ہے۔ نظر ہے ماہ رویوں پر — بتا اے زاہدِ مکار دل میں یہ ریا کیوں ہے — نامعلوم

اے شیخ شیخیاں نہ بگھارا اپنے زہد کی — تھوڑے سے ہم بھی ہیں تری عرفاں کے راز داں — حمید

پھندے ہیں لاکھ شیخ کی ڈاڑھی کے جھاڑ میں — کرتے ہیں اب شکار یہ ٹٹی کی آڑ میں — قیصر دہلوی

جنابِ شیخ کیا کچھ آڑ میں تقوےٰ کی کرتے ہیں — کوئی کیا ان کو جانے ایک ہی حضرت ہیں حضرت بھی — ریاض خیرآبادی

بڑے پاک طینت بڑے پاک باطن — ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

خمسہ

شیخ جی کرچکے جب اپنے مریدوں کا شکار — اور اذاں سن کے ہوئے جانے کو مسجد تیار — نامعلوم

اہل مسجد نے سنی چار طرف سے یہ پکار — اپنے جوتوں سے رہیں سارے نمازی ہوشیار

اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

زندگی، ہستی، عمر

چکبست لکھنوی
زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

میر مجروح دہلوی
نہیں راز ہستی جتانے کے قابل
یہ پردہ نہیں ہے اٹھانے کے قابل

غالب
رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

آباد عظیم آبادی
کونسا جھونکا بجھا دیگا کسے معلوم ہے
زندگی اک شمع روشن ہے ہوا کے سامنے

محبت
جاتے ہیں جلد چھینکے توسن کو عمر کے
کیا کیجیے محبت گھر دور ہے ہمارا

صولت
نظر آتا ہے مجھ کو جان کا خطرہ اقامت میں
مثالِ نبض ہیں سرگرم ہوں قطع مسافت میں

بسمل دہلوی
دنیا ہے ایک خواب اور اس میں یہ زندگی
گویا کہ خواب دیکھ رہے ہم ہیں خواب میں

نامعلوم
جس زندگی پہ نازاں یہ صاحبِ ہوس ہیں
وہ کیا ہے فی الحقیقت گنتی کے کچھ نفس ہیں

داغ
اپنے دم کو آدمی ہر دم غنیمت جان لے
خاک کا پھر ڈھیر ہے بعد فنا کچھ بھی نہیں

حسن شاہجہاں آبادی
کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گذرتی
ہر ایک جان تو ہے جس بن نہیں گذرتی

شاہ ظفر
یہ ساری آمد و شد ہے نفس کی آمد و شد پر
اسی تک آنا جانا ہے نہ پھر جانا نہ پھر آنا

منتظر امروہوی
دن زندگی کے چشم زدن میں گذر گئے
جھونکے ہوا کے تھے اِدھر آئے اُدھر گئے

ذوق
ذوق اِس بحرِ فنا میں کشتیٔ عمر رواں
جس جگہ پر جا لگی وہ ہی کنارہ ہو گیا

امیر مینائی
نہ بھول اس زندگی پہ غافل نہیں ہے کچھ اعتبار اس کا
کہ راہ لیگی یہ اپنی اک دن عدم کا رستہ تجھے دکھا کر

زندگی میں جو دم آرام ملے اسے غنیمت جانو

نامعلوم
سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی بھی کچھ رہی تو جوانی پھر کہاں

رند
دیدِ گل کے تجھے پڑ جائینگے لالے بلبل
پڑ گئی گر کسی صیاد کے پالے بلبل
پھر وہی کنجِ قفس ہے وہی صیاد کا گھر
چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل

زندگی ایک مصیبت ہے (دیکھئے دنیا دار المحن ہے)

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گذری غالبؔ ۔۔۔ ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے ۔۔۔ غالب

زندگی نام رکھ دیا کس نے ۔۔۔ موت کا انتظار ہے دنیا ۔۔۔ نامعلوم

پابند یہ مرغِ جان تنہا نہ قفس کا ہے ۔۔۔ پھندا ابھی تو گردن میں اک تارِ نفس کا ہے ۔۔۔ ״

مسرت ہوئی ہنس لئے دو گھڑی ۔۔۔ مصیبت پڑی رو کے چپ ہو رہے ۔۔۔ اکبر الٰہ آبادی

قطعہ

اسی طور سے کٹ گیا روزِ زیست ۔۔۔ سُلایا شبِ گور نے سو رہے

کشمکش ہی میں کٹے لیل و نہار زندگی ۔۔۔ جان قربانِ اجل بھی دلِ نثارِ زندگی ۔۔۔ مفتوں

کیا کہیں اک دم کو کیا کیا زندگی بھر چاہیئے ۔۔۔ رہنے کو گھر چاہیئے گھر کے لئے زر چاہیئے ۔۔۔ ״

زندگی خضر و مسیحا کی نہ کیوں کر ہوتی ۔۔۔ روگ اُلفت کا نہ تھا عشق کا آزار نہ تھا ۔۔۔ رفاقت

رباعی

خوں نابہ کشی مدام کی ہے ہم نے ۔۔۔ ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے

یہ مہلتِ زیست جس کو کہتے ہیں عمر ۔۔۔ مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے ۔۔۔ میر تقی

نغمہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیئے ۔۔۔ بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن ۔۔۔ غالب

ایک دم اور سینکڑوں جھگڑے ۔۔۔ زندگی بھی عذاب ہوتی ہے ۔۔۔ مست بنارسی

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے ۔۔۔ تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے ۔۔۔ عیش دہلوی

زمانہ کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتا

گُل ہوں تو جگر چاک ہوں بو ہوں تو پریشاں ۔۔۔ ہر رنگ میں اک آفتِ غم دل سے لگی ہے ۔۔۔ تسلیم لکھنوی

نہ افتاد کچھ پیش آئے الٰہی ۔۔۔ ذرا ہم چمن کی ہوا کھا رہے ہیں ۔۔۔ ریاض خیرآبادی

نہ کیوں ہو سیرِ چمن سے نفرت یہ رنگ دیکھا ہے ہم نے صولت ۔۔۔ مالک الدولہ

کھلے جو دو پھول بعد مدت۔ تو آ کے ٹوٹے ہزار گلچیں ۔۔۔ صولت

زلف. گیسو

اعظم والی لہارو: دیکھنے میں تو بھلی معلوم ہوتی ہے مگر / سانپ بن جاتی ہے اس کی زلف بل کھانے کے بعد

ناظم: پھر ہوا زلفِ سیہ فام کا سودا دل کو / پھر نمازِ شبِ دیجور قضا ہوئی ہے

ضامن: گھر خانہ خدا میں کیا آکے سانپ نے / دل میں ہمارے یاد جو زلفِ دوتا کی ہے

پہنچا: زلف کو کہنا پریشاں عقل کی دوری ہے / ہر گرہ میں اس کے دل ہر گانٹھ کی پوری ہے

نامعلوم: نہ جاؤ کر کے یہ حیلہ کہ تھوڑی رات باقی ہے / ابھی تم کھول دو زلفیں سحر ہووے تو میں جانوں

صفیر بلگرامی: تمہاری زلف کا دل سے خیال کیا نکلے / پڑا جو آئینہ میں پھر وہ بال کیا نکلے

زبان بندی

قدر بلگرامی: شمع کی طرح سے چپ بیٹھے ہیں آسن مارے / گر ہلاتے ہیں زباں جاتے ہیں گردن مارے

نامعلوم: ہلے تھے لب نہ ابھی بوسۂ دہاں کے لئے / کہ قینچیاں ہوئیں حاضر مری زباں کے لئے

آتش: صورتِ شمع ہوں ہر چند فروغِ محفل / بات کرنے نہیں پاتا کہ زباں کٹتی ہے

نامعلوم: سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم / پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

ذوق: بیٹھے بھرے ہوئے ہیں خمِ مے کی طرح ہم / پر کیا کریں کہ مہر ہے منہ پہ لگی ہوئی

مفتون دہلوی: ظلم پہ ظلم کرو اس پہ ستم ہونٹ سیو / منہ سے اُف بھی نہ کریں ہائے شکایت والے

زباں دانی

داغ: اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ / سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

مصحفی: بعضوں کا گماں یہ ہے کہ ہم اہلِ زباں ہیں / دلی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہے

ظہیر دہلوی: دعویٰ نہیں ہے اس کا کہ اہلِ زباں ہیں ہم / ہاں یادگارِ قافلۂ رفتگاں ہیں ہم

سلام . مزاج پرسی

خواب سا کچھ ہم کو یاد آتا تو ہے — آپ کو ہم نے کہیں دیکھا تو ہے — وحید منڈاروی
اُدھر سے ناز ہا، اِدھر سے نیاز لازم ہے — وہ لیں نہ لیں ہمیں جھک کر سلام کر لینا — صفی اثر دہوی
غرض کلام سے ہے کچھ کلام کر لیں گے — نہ دیں جواب وہ ہم تو سلام کر لیں گے — احسن مارہروی
لو پوچھئے حالِ طبیعت تو کہیں آپ کو کیا — رہیئے خاموش تو شکوہ ہے کہ پوچھا ہی نہیں — بیخود دہلوی
رکھ کے خدمت میں مجھ سے کام تو لو — بات کرتے نہیں سلام. تو لو — رند
کیوں ہم سے کوئی پوچھے تعلق نہیں جسے — اچھے ہیں یا بُرے ہیں کسی کی بلا سے ہم — نامعلوم
نہ پوچھو دل کی حقیقت مگر یہ کہتے ہیں — وہ بے قرار ہے جس نے بے قرار کیا — داغ
بہت اچھی نہایت خوب گذری — بھلا آفت زدوں کا پوچھنا کیا — نسیم
مجھ سے جو پوچھتے ہو ہر حال شکر ہے — یوں بھی گذر گئی مری یُوں بھی گذر گئی — فغاں
پرسش کے جب مزے ہیں کہ ہو دل سے لگاؤ — اور یوں تو پوچھ لیتے ہیں غیروں کو گاہ گاہ — نامعلوم
جو پوچھا مجھے از رہِ قدر دانی — عنایت، نوازش کرم مہربانی — مغاں جان نسیم
قاصد یہ کہنا پا کے مرے یار کا مزاج — پوچھا ہے اک غریب نے سرکار کا مزاج — قدر بلگرامی
کیا پوچھتے ہو حالِ دلِ بے قرار کا — اللہ کا ہے شکر عنایت حضور کی — نامعلوم
ہم سے تم کیا پوچھتے ہو، مہرباں اچھے تو ہو — ہم تو اچھے ہیں سو ہیں تھے تم کہاں اچھے تو ہو — شاہ ظفر
کیا تم کو ہم سے کام ہے غیروں کی لو خبر — ناخوش ہیں یا کہ خوش ہیں تمہاری بلا سے ہم — نامعلوم
اپنی کہو گذرتی ہے کس طرح سے امیرؔ — ہم ہیں فقیر لوگ ہماری بھلی کہی — امیر
کس سوچ میں بیٹھے ہو۔ ذرا سر تو اٹھاؤ — گو دل نہیں ملتا ہے پر آنکھیں تو ملاؤ — مومن
اُس کو غرض ہے کیا کہ وہ پوچھے ہمارا حال — یاں کچھ بنی ہے جان پہ واں کچھ خیال ہے — بشیر دہلوی
سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال — کہ یہ کہے کہ سرِ رہ گذر ہے کیا کہیے — غالب

سوگ ۔ ماتم

عدو بھی وائے قسمت بزم ماتم میں ہیں ساتھ اُنکے — امیر مینائی
سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر — مومن
راس آیا ہے مجھے وحشت میں مرجانا مرا — رسا رامپوری
آئے ہیں میت پہ وہ ہنستے ہوئے — ضیا صاحبہ گلشن آبادی
مجھ کو رونا بھی تو یوں رونا کہ ہونٹوں پر ہنسی — مولانا عرش
ماتم ہمارے مرنے کا ان کی بلا کرے — داغ
اوپری دل سے ہیا گریہ و زاری کھتا — "
غم خوار ہے کوئی نہ کوئی غم گسار ہے — نامعلوم
الٰہی کون ایسا مر گیا ہے جس کا ماتم ہے
آنے والے جائیں گے اک دن ضرور — شاگرد میرٹھی
مری تربت پہ سب روئے نہ رویا پر وہ سنگیں دل — نامعلوم
کھول کر بال پریشان نہ کر روح کو تو — جلال لکھنوی
رو رہے ہیں دوست مری لاش پر بے اختیار — اکبر الٰہ آبادی
اُٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں — نامعلوم
ہم دام غم سے چھوٹے مدت کے بعد مر کر
روئیں کیا اوروں کو جب فانی ہیں خود — حکیم لکھنوی
اتنے سے سن میں جی سے گذرنے کے دن تھے — نامعلوم
کہتا نہ تھا کہ غیر کی میت پہ یوں نہ رو — بیان فتحپور سیکری
غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں — غالب

ہمارے پھولوں میں کمبخت اک کانٹا بھی شامل
یوں روئی زار زار تو اہل عزا کے ساتھ
وہ مجھے روئے یہ کہہ کر ہائے دیوانہ مرا
مر گئے رو رو کے ہم جن کے لئے
ہائے ظالم آستیں تیری کہ تر ہوتی نہیں
اتنا ہی کہہ کے چھوٹ گئے وہ برا ہوا
آخری وقت ذرا شرم ہماری رکھنا
مرنے کو ہم ہیں رونے کو شمع مزار ہے
حسینان جہاں پہنے ہوئے ہیں پیرہن کالے
پھر کسی کی مرگ کا غم کیا کریں
قیامت ہے کہ دو آنسو نہ چشم یار میں آئے
اُدھر سوگ کے پردہ میں سنورنے والے
یہ نہیں دریافت کرتے کس نے اس کی جان لی
روئیے کس کس کو اب کس کس کا ماتم کیجئے
روتے ہیں کیوں احبا موقع ہے یہ خوشی کا
اپنے ہوتے غیر کا غم کیا کیا کریں
اے مرنے والے یہ ترے مرنے کے دن نہ تھے
اب درد میرے سر میں ہے یا تیرے سر میں ہے
روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں؟

مرگِ دشمن کا زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال — دشمنی کا لطف شکوہ کا مزا جاتا رہا — داغ

آ کے تربت پہ بہت روئے کیا یاد مجھے — خاک اُڑانے لگے جب کر چکے برباد مجھے — شاد لکھنوی

مضطر کو جو روتے ہو کیا اس سے محبت تھی — اِس سوگ کے ہیں صدقے آنکھوں میں تری کیوں ہیں — مضطر

مجھ سا غم دوست نہ ہو لیگا کوئی دنیا میں — کون سی مجلسِ ماتم ہے میں جہاں نہ گیا — آتش

کیوں غُل ہے مری نعش پہ نوحے کی صدا کا — رونے کا نہیں وقت۔ یہ ہے وقت دعا کا — جوش کرانوی

کرتا ہے قاتل بھی ماتم کو دفنانے کے بعد — قدر اچھوں کی ہوا کرتی ہے مرجانے کے بعد — اعظم لوہاروی

سخی۔ سخاوت

سخی کے پاس کچھ ہو اور نہ دے یہ غیر ممکن ہے — نہیں کرتا ہے مٹھی بند جب تک ہاتھ چلتا ہے — امیر مینائی

سخی کا دل ہے ٹھنڈا وگرمیٔ روز قیامت میں — کہ سر پر چترِ رحمت سایۂ دامانِ ساحل ہے — ”

آج جو دیتا ہے دے لے کل خدا جانے یہ مال — ہو وے کس بیگانہ و نا آشنا کے واسطے — نامعلوم

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب — تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں — غالب

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی — سائل ہوئے تو عاشقِ اہل کرم ہوئے — ”

درِ فیض حق بند جب تھا نہ اب کچھ — فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ — حالی

نہ عیش کیخسروی رہے گا نہ صولتِ بہمنی رہیگی — رہے گی اے منعمو تو باقی دیے کی کچھ روشنی رہیگی — ”

باراں کی طرح لطف و کرم عام کئے جا — آیا ہے جو دنیا میں تو کچھ نام کئے جا — آتش

مشکل تو کسی کی کبھی اٹکی نہیں رہتی — چڑھتی ہے پہاڑوں پہ سدا ناؤ سخی کی — نامعلوم

بند

دوست کی دوست زمانہ میں خبر رکھتے ہیں — دل محبت کا تو الفت کی نظر رکھتے ہیں
ہاں خیالِ غربا صاحبِ زر رکھتے ہیں — فیض ان ہی سے ہے جو اشجار ثمر رکھتے ہیں
جو دَنی ہیں۔ کفِ افسوس بھی ملتے ہیں وہی
جن میں ہے بوئے سخا پھولتے پھلتے ہیں وہی

سوز و ساز

نامعلوم — نہیں معلوم کیا اس سینۂ سوزاں میں جلتا ہے
دھواں نوکِ زباں سے بات کرنے میں نکلتا ہے

غالب — آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں
سوزِ غمہائے نہانی اور ہے

داغ — یہ کس کی لو ہے اے دلِ مضطر لگی ہوئی
اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

مومن — شعلہ ہائے تپِ غم آگ لگاتے کیوں ہو
گر ہو دل سوز مرے مجھ کو جلاتے کیوں ہو

میر برشتہ دہلوی — سلگا کے دل کو عشق میں پہنچی جگر کو آگ
اے چشمِ تر بجھا کہ لگی سارے گھر کو آگ

امیر مینائی — پنہاں جو سوزِ عشق کرے مرد ہے وہی
دل پھک گیا۔ مگر نفسِ آہ سرد ہے وہی

ذاکر دہلوی — مٹے جاتے ہیں ہم شعلہ رخوں کے سوزِ الفت میں
الٰہی آگ لگ جائے مری ایسی تمنا کو

نازو ائی خیرپور سندھ — یا رب بتوں میں کیوں نہیں سوز و گدازِ عشق
ہر سنگ میں نہاں ہے شرر ہر شرر میں آگ

سادگی وضع سادہ دلی

نامعلوم — عجب انداز تم نے سادگی کے یہ نکالے ہیں
فقط تنکے ہیں کانوں میں نہ بُندے ہیں نہ بالے ہیں

آتش — تکلف سے بری ہے حسنِ ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹہ کہاں ہے

شاہجہاں آبادی — نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ دیکھو خوشنما لگتا ہے کیسا چاند بن گہنے

بیخود دہلوی — کس درجہ سادہ لوح ہیں عاشق مزاج بھی
جو ڈھب پر چڑھ گیا وہ انہیں آگیا پسند

قائم چاندپوری — ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا میں تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

میر تقی میر — میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

غالب — اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

قوی امروہوی — تم اک حسین ہو افشاں چنی چنی نہ چنی
یہ سادگی ہی بہت ہے تمہیں جناں کیلئے

اکبر الہ آبادی — پکالیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے جو لانا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

شکریہ

خاطر تو تم نے آج بہت کی مگر حضور	کل پھر یہی نگاہ۔ یہی گفتگو رہے	اکبر الٰہ آبادی
کمال اُن کی عنایت ہے نہایت مہربانی ہے	کہیں آئیں محلے میں اُنہیں جانا یہاں ہو کر	〃
بدتر اگر ہیں سو سے تو بہتر ہزار سے	ہیں لاکھ لاکھ شکر۔ خدا کی جناب میں	بسمل دہلوی
زمانے کا نہ ہو شاکی۔ کہ تو بھی اس میں داخل ہے	خدا کا شکر کر انسان ہے۔ گویا ہے۔ عاقل ہے	شہباز
کرے جس قدر شکر نعمت وہ کم ہے	مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے	آتش
نذر اس بت کی ہو ایمان۔ یہ کچھ دور نہ تھا	اپنے اللہ کے صدقے اُسے منظور نہ تھا	ریاض خیرآبادی
مصیبت ہو کہ راحت ہو نہیں لازم گلہ کرنا	بشر کا فرض ہے۔ ہر حال میں شکر خدا کرنا	طاہر جودھ
سُنا ہے غسل صحت ہو چکا صدقے اُترتے ہیں	خوشا قسمت وہ اچھے ہو گئے ہم جن پہ مرتے ہیں	داغ
قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں	ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے	غالب
گو نہ سمجھوں اس کی باتیں گو نہ پاؤں اس کا بھید	پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا	〃
جو پوچھا مجھے از رہِ قدر دانی	عنایت۔ نوازش کرم۔ مہربانی	مغل جانثار

شادی وغم کا ساتھ ہے

شادی جو ہوئی۔ غم کے بھی پہلو نکل آئے	جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکل آئے	نامعلوم
گریہ انجامِ تبسم ہے نہ ہنس اے غافل	خون روئیں گے وہی زخم جو خنداں ہونگے	نسیم دہلوی
ہم اک مختصر سے دل میں ہیں شادی وغم دونوں	یہ چھوٹا سا مکاں اور اس میں دوزخ بھی ہے جنت بھی	نادر کاکوروی
چمنِ دہر میں توام ہیں سدا شادی وغم	کون سا گل ہے۔ جو رویا نہیں خنداں ہو کر	مونس
پرورش تقدیر کرتی ہے مجھے بہرِ قضا	ذبح کو پروردہ کرنا کام ہے قصّاب کا	نامعلوم
کبھی ہے صبح عید اس میں کبھی شام محرم ہے	یہ عالم چشم بینا کے لئے عبرت کا عالم ہے	اکبر الٰہ آبادی

شراب وساقی

آصف شاہ دکن
پیو بھی۔ پلاؤ بھی۔ اس کا مزا ہے　　یہ شیشہ بھرا ہے یہ ساغر دھرا ہے

رسا
ساقی جو دے جائے یہ کہہ کر کہ پئے جا　　تو تم بھی پئے جاؤں یہ کہہ کر کہ دئے جا

ریاض خیرآبادی
دیدے دیدے میرے ساقی تیرے صدقے دیدے　　دست رنگیں سے چھلکتے ہوئے پیمانے سے

مے چھین کر کسی سے جو پیتے۔ تو تھی خطا　　جب جام دیکے پی۔ تو گنہ کیا کسی کا تھا

تسلیم لکھنوی
بڑھ گئی مے پینے سے دل کی تمنا اور بھی　　صدقہ اپنا ساقیا۔ اک جام صہبا اور بھی

قیصر دہلوی
بس میری جان۔ آنکھ ملا کر اڑے یہ جام　　اچھی کہی۔ شباب میں نفرت شراب سے

بوتل جو کھولی حضرت زاہد کے واسطے　　مارے خوشی کے کاگ بھی دو گز اچھل گیا

ریاض خیرآبادی
جھوٹے پر تو مرے جی میں یہ آتا ہے کہ شیخ　　یہی بوتل ترے سر مار کے ٹکڑے کردے

اکبر الہ آبادی
ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے　　ڈاکا تو نہیں مارا۔ چوری تو نہیں کی ہے

اکبر میرٹھی
لے شیخ آنکھ بچ کے پی جا ثواب ہے　　جتنی بچی کھچی مری جھوٹی شراب ہے

امیر مینائی
ایک قطرہ بھی نہ پینا۔ مگر اے جان جہاں　　اسی انداز سے کہہ دے کہ نہیں تھوڑی سی

عباس
پیتا نہیں شراب کبھی بے وضو کئے　　قالب میں میرے روح کسی پارسا کی ہے

نامعلوم
روز پیتا نہیں پی لیتا ہوں گاہے گاہے　　وہ بھی تھوڑی سی مزا منہ کا بدلنے کے لئے

اسیر لکھنوی
ساغر ہمارے ساتھ لب اب جو بہ پیو　　تنہا جو مے پیو۔ تو ہمارا لہو پیو

غالب
مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو　　اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

"
مے ہی پھر کیوں نہ میں پیئے جاؤں　　غم سے جب زیست ہو گئی ہو حرام

"
گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے　　رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

"
غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی　　پیتا ہوں روز ابر و شب ماہتاب میں

نامعلوم
انساں شراب پی کے کرے کیوں نہ شور و شر　　ایک شر بشر میں دو سرا شر ہے شراب میں

میں تو اے مخمور پرہیزا کروں انکارِ مے ۔ وہ بُتِ بدمست دیتا ہے خدا کے واسطے ۔ مخمور لکھنوی

گر یار مے پلائے۔ تو پھر کیوں نہ پیجئے ۔ زاہد نہیں ہیں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں ۔ انشا

احتیاطاً توبہ بھی لازم تھی۔ مگر معذور ہیں ۔ ہم کو یہ پیمان یاد آیا ہے پیمانے کے بعد ۔ ریاض بدایونی

عہد یہ ہے کہ کبھی خود نہ پئیں گے زاہد ۔ کوئی گل رنگ دے پیمانہ تو پیماں کس کا ۔ نامعلوم

ساقی جو پی ہو غیر کے ہاتھوں سے تو حرام ۔ رندی میں بھی یہ آن ہے پرہیزگار ہوں ۔ بے نظیر

انکارِ مے کشی نے مجھے کیسا مزا دیا ۔ سینے پر چڑھ کے اُس نے خُمِ مے پلا دیا ۔ داغ

زاہد شراب ناب کی تاثیر کچھ نہ پوچھ ۔ اکسیر ہے جو حلق کے نیچے اُتر گئی ۔ "

صوفی کو اجتناب ہے زاہد کو احتراز ۔ کیا زہر گھل گیا ہے الٰہی شراب میں ۔ "

گرہ سے کچھ نہیں جاتا ہے پی بھی لے زاہد ۔ ملے جو مفت۔ تو قاضی کو بھی حرام نہیں ۔ امیر مینائی

شیخ جی تھوڑی سی پی لو آج تو ۔ کون دیکھے گا اندھیری رات ہے ۔ دلبرا ونامی

بُرا نہ جانے تو تقوے آب کیا جانے ۔ نہ پی ہو جس نے وہ قدر شراب کیا جانے ۔ نامعلوم

زاہد نے لطف خاک اٹھائے شباب کے ۔ دو گھونٹ بھی گلے سے نہ اترے شراب کے ۔ "

شیخ صاحب ہوئے مے کش تو ہے مٹی برباد ۔ خاک تک چاٹ کے رکھ دینگے یہ میخانوں کی ۔ جلیل

ذرا انصاف کر ساقی عطا ہوں جام غیروں کو ۔ گدائے مے کدہ ہو کر رہوں محروم ساغر سے ۔ ہمدم اکبرآبادی

پیرِ مغاں کے پاس وہ دارو ہے جس سے ذوق ۔ نامرد مرد۔ مردِ جواں مرد ہو گیا ۔ ذوق

منہ سے لگا ہوا ہے اگر جام مے تو کیا ۔ دل سے ہے یادِ ساقیِ کوثر لگی ہوئی ۔ "

قطعہ

درِ مے خانہ چوپٹ ہے تہجد کو ہوئی چوری ۔ پڑے ٹوٹے ہوئے شیشے فقط جھوٹے پیالے ہیں ۔ سائل دہلوی

گمان کس پر کریں میکش اِدھر واعظ اُدھر صوفی ۔ خدا رکھے محلے میں سب ہی اللہ والے ہیں

لکھا ہوا ہے پیرِ مغاں کی دکان پر ۔ کم ظرف کو حرام ہے پینا شراب کا ۔ حسن دہلوی

زاہد کبھی تو گردِ نہ پھریو شراب کے ۔ یہاں آگ ہے چھپی ہوئی ہر بوند میں آب کے ۔ امین عظیم آبادی

بس ذکر ہی ہیں بادۂ گلگوں کے سب ہے ۔ چکھنا نہ ہمنشیں اسے واللہ زہر ہے ۔ اکبر الٰہ آبادی

شاعری

عزیز لکھنوی
شاعری کیا ہے نفقط تصویر جذبات نہاں
قوتِ تخیل کے ہمراہ تاثیرِ زباں

چکبست
کچھ اور ہے وہ شاعرِ معجز بیاں نہیں
جس کے سخن سے رنگِ طبیعت عیاں نہیں

امیر مینائی
دل میں مضموں تھا جو اس شوخ کے ظاہر نہ ہوا
رہ گئی مجھ کو یہ حسرت کہ وہ شاعر نہ ہوا

قوی مرہوی
گرمیٔ گفتار مشکل تھی۔ قوی بے سوزِ عشق
رات دن جلنا پڑا آتش بیانی کے لئے

تسلیم لکھنوی
سرسبز باغِ دہر میں اہلِ قلم نہیں
دیکھی ہری بھری کبھی شاخِ قلم نہیں

آتش
سیہ بختی سخن سنجوں کو لازم ہے سمجھ دیکھو
نہیں چلتا ہے جب ہووے سیاہی سے قلم خالی

یہ شاعر ہیں الٰہی۔ یا مصور پیشہ ہیں کوئی
نئے نقشے نرالی صورتیں ایجاد کرتے ہیں

مفتون دہلوی
سخن گوئی بھی پورا خبط ہے واقع میں اے مفتوں
تمہیں بھی گاہے گاہے اس جنوں کا جوش ہوتا ہے

ذاکر
ذاکر یہ شاعری کی بھی دھن ہے بُری بلا
ہم نے ملایا خاک میں سب کاروبار کو

ثمر لکھنوی
ثمر افکارِ دنیا سے ہمیں مہلت کہاں ممکن
انہیں کو شاعری زیبا ہے جو بے کار بیٹھے ہیں

ثابت
شاعر کی یہ پہچان ہے سیلانی ہو
کچھ طبع میں وحشت اور جولانی ہو
بیچارے کی بات بھی نہ پوچھے کوئی
تاریخ اگر اس سے نہ کہلانی ہو

شیطاں شیطنت

اکبر الہ آبادی
شیطان کی نہ مان جو راحت نصیب ہو
اللہ کو پکار مصیبت اگر پڑے

〃
مکر و فریب و ظلم یہ سب اس میں ہیں مگر
شیطان میں دلیری و مردانگی نہیں

انشا
رات شیطاں کو خواب میں دیکھا
ساری صورت جناب کی سی تھی

نظیر اکبر آبادی
مٹھے بٹھائے خلد میں ابلیس نے نظر
کیا دم دیا ہے حضرتِ آدم کو دیکھئے

آغا حشر
شکل و صورت دیکھ لی کبر و رعونت دیکھ لی
نام پہلے بھی سنا تھا آج صورت دیکھ لی

شمع۔ چراغ۔ پروانہ

مجھ کو بیخود نہ سمجھ خوب سمجھتا ہوں تجھے
شمع میرے ہی جلانے کو تو ٹھنڈی کر دی
بیخود دہلوی

پھونک دیتی کیوں نہ پروانے کو شمع
پیار کرنے کو۔ سر محفل گیا
امیر مینائی

مت کہہ شبِ وصال کہ ٹھنڈا نہ کر چراغ
ظالم جلا ہے میری طرح عمر بھر چراغ
مومن

چراغِ لحد کیا سمجھ کر بجھایا
نہ سمجھے کہ ہے نام روشن کسی کا
قوی امروہوی

ہم غریبوں کا اندھیرے میں نکل جائیگا کام
آئیں تو وہ شمع تربت کے بجھانے کے لیئے
نامعلوم

تیرہ بختی کے اثر نے شام سے گل کر دیا
صبح کو کوئے اٹھا کر شمعِ تربت لے گئے
آتش

زبانِ حال سے خود شمع یہ اظہار کرتی ہے
خدا کو خوب روشن ہے جو کچھ مجھ پر گذرتی ہے
مفتوں دہلوی

گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے
موت آئی ہے سر چڑھتا ہے دیوانہ ہوا ہے
آتش

کب شمع نہیں دیکھتی پروانوں کا جلنا
کس دن یہ تماشہ سر محفل نہیں ہوتا
قوی امروہوی

جل بھن کے جذب شمع میں پروانہ ہو گیا
جانباز جان دیتے ہی جانانہ ہو گیا
ثابت لکھنوی

بجھا کر شمعِ تربت خوب دل ٹھنڈا کیا اپنا
ابھی تک دل میں ہے ارمان ظالم کے جلانے کا
قیصر

شمع پروانے سے کہتی ہے یہ رو کر شبِ ہجر
آج کی رات بچیں گے تو سحر دیکھیں گے
نامعلوم

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے
میر ممنون

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گذار یا اسے رو کر گذار دے

شرط

یہی ٹھہری جو شرط وصلِ لیلیٰ
تو استعفےٰ مرا۔ با حسرت و یاس
اکبر الہ آبادی

میں ایک شرط پہ زاہد وہ بت دکھاتا ہوں
کہیں نہ پوچھنے لگنا اسے خدا کیلئے
قوی امروہوی

وصل کے وعدے میں شرطیں کیوں لگیں
اور سو باتیں تھیں لیکن کے لئے
لہ

شوخیٔ شرارت

شوق قدوائی — شوخیاں کرنے میں چل نکلے ہو تم حد سے سوا — باندھیں گے مہندی لگا کر ہم تمہارے ہاتھ پاؤں

ناظم — شرم میں بھی ہیں تری پردے پردے کی شوخیاں — آنکھ نیچی کی تو برقع رخ سے اونچا کر دیا

اکبر الٰہ آبادی — میں نے کہا جو اس سے ٹھکرا کے چل نہ ظالم — حیرت میں آ کے بولا کیا آپ جی رہے ہیں

امیر مینائی — جو کچھ سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے — میں روتا ہوں ان کو ہنسی سوجھتی ہے

داغ — پوچھو جناب داغ کی ہم سے شرارتیں — کیا سر جھکائے بیٹھے ہیں حضرت غریب سے

" — شوخی میں تمکنت ہے تو ہے ناز میں نیاز — تعلیم تم نے پائی ہے اچھے ادیب سے

نواب بدایونی — آپ ہی تو بن سنور کر کر دیا بیخود ہمیں — پوچھنا پھر اس پہ بن بن کے تمہیں کیا ہو گیا

بیخود دہلوی — یہ شوخی ہے نئی یہ شرم دنیا سے نرالی ہے — ملا کر آنکھ کہتے ہیں ادھر دیکھو تو اندھا ہو

نیغم دہلوی — بزم مے میں بھی شرارت سے نہ چوکا ظالم — چھن سے توڑا ہے مرے دار پہ ساغر کیسا

مائل — شوخی تو یہ ہے بزم میں بیٹھے ہیں اس طرح — گویا کھنچا ہوا ہے مرقع حجاب کا

" — ہیں شرم سے چپ ورنہ ابھی کیا نہ کریں وہ — وہ کونسا فتنہ ہے کہ برپا نہ کریں وہ

شہیدی — وہ طفل شریر اور سے چوکے ہے کہ جس نے — استاد کو دو دن میں دبستاں سے نکالا

داغ — بظاہر ان کو حیادار لوگ سمجھے ہیں — حیا میں جو ہے شرارت کسی کو کیا معلوم

ریاض — آنکھوں میں شرارت ہے کہ رک کے نہیں رکتی — شوخی ہے کہ بے چین ہے آغوش حیا میں

رسا — بھری ہیں شوخیاں لاکھوں تری نیچی نگاہوں میں — ہمیں ہیں کچھ تری شرم و حیا کے جاننے والے

غالب — غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھئے — سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں

جگر لکھنوی — دل توڑ توڑ کر مرا کہتے ہیں بار بار — جیسا تھا اس سے ہم اسے بہتر بنائیں گے

امیر مینائی (قطعہ) — ہمنشیں ان سے جو کہتے ہیں کہ مرتا ہے امیر — کہئے کب تک وہ غریب اب یہ مصیبت دیکھے

کہتے ہیں وہ ابھی عاشق کہیں ہوتے ہیں غریب — پاس جا بیٹھے پھر ان کی کوئی غربت دیکھے

شوخ طبعی۔ ستم ظریفی۔ طرّاری

جب کہا رحم کے قابل ہے دلِ زار کہا
جی دلِ زار۔ دلِ زار کے ٹکڑے کر دے
ریاض بدایونی

کہا میں نے مرتا ہوں تم پر تو بولے
نکلتے نہ دیکھا جنازہ کسی کا
نامعلوم

جب اُن سے کہا، درد کی میرے بھی دوا ہو
فرمایا کہ اللہ کرے۔ اِس سے سوا ہو
قیصر دہلوی

وہ شکوۂ غم سُن کر کس ناز سے کہتے ہیں
جینا تھا اگر مشکل، مرنا تو نہ مشکل تھا
داغ

جب کہا میں نے کہ لو مرتا ہوں میں
بولے بسم اللہ۔ اچھی بات ہے

کہتے ہیں دردِ عشق سے کیوں مر گئے نہ تم
تُو اور سُنئے یہ بھی ہمارا قصور تھا
میر مجروح

میں یہ کہتا ہوں مجھے اچھا کرو احسان ہو
وہ یہ کہتے ہیں کہ مر جاؤ تو کیا نقصان ہو
اکبر الٰہ آبادی

مار ڈالا ہمیں اس فقرے نے اس ظالم کے
کس طرح ہوتے ہیں قربان ذرا قرباں ہونا
مفتون دہلوی

ان کی زبان چلتی ہے تلوار کی طرح
اور ہم ادب سے چپ ہیں گنہگار کی طرح
حکم مدراسی

کچھ کام نہیں ہے انہیں فریاد رسی سے
رونے کا سبب کرتے ہیں دریافت ہنسی سے
امیر مینائی

جان دینے کو کہا ہم نے تو ہنس کر بولے
تم سلامت رہو ہر روز کے مرنے والے
داغ

آپ ہی جور کریں آپ ہی پوچھیں مجھ سے
یہ تو فرمایئے۔ ہے آج طبیعت کیسی

ہنس کے فرمانے لگے سُن سُن کے وہ نالے میرے
آپ کب سے ہو گئے ہیں چاہنے والے مرے
ارشد

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیئے غیر سے تہی
سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں
غالب

کہا بے وفا دل لگی میں تو بولے
کوئی ڈھونڈھ لو دل لگانے کے قابل
صداقت

کہتے ہیں صاف کہو دل میں ارادے کیا ہیں
منتیں کرتے ہو سر پاؤں پہ دھرتے کیوں ہو
نامعلوم

عشوے تو اس آفت کے ہیں اور اس پہ یہ اصرار
اُدھر نہ اُٹھے آنکھ خبردار کسی کی

کہا جو میں نے کہ دل چاہتا ہے پیار کرو
تو مسکرا کے وہ کہنے لگے کہ پیار کے بعد؟
اکبر الٰہ آبادی

جو کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھ کو تم پر
ہنس کے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے؟

شکوہ شکایت، گِلہ

نظرِ لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے — اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے — اکبر الہ آبادی

رقیبوں نے پہلو دبایا تو چُپ — میں بیٹھا تو ظالم سرکنے لگا — ؍؍

میرے شکووں کو نہ پوچھیں ہیں خاموش حضور — کچھ نہ بن آئے گی واللہ مکرنے کے سوا — ؍؍

پھر گئی آپ کی دو دن میں طبیعت کیسی — یہ وفا کیسی تھی صاحب یہ مروت کیسی — ؍؍

غیر مجھ پر ہیں وار کرنے کو — آپ ہیں مار مار کرنے کو — نسیان کاکوروی

کل تک تو آشنا تھے مگر آج غیر ہو — دو دن میں یہ مزاج ہے آگے کو خیر ہو — داغ

شکوہ کرتے ہیں زباں سے نہ گِلا کرتے ہیں — تم سلامت رہو ہم تو یہ دعا کرتے ہیں — ؍؍

شکوے کے بدلے کیا شکرِ ستم — پھر خفا ہیں کیا مزے کی بات ہے — ؍؍

پُر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا — اِک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے — غالب

تمہیں کہو کہ گذارا صنم پرستوں کا — بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خُو تو کیونکر ہو — ؍؍

تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ — اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا — ؍؍

جب یہ مِل جائیں کلیجے سے لگا لے انکو — اِن حسینوں سے کسی بات کا شکوہ کیسا — ریاض گورکھپوری

کیجئے ہمدم بھلا کیونکر نہ شکوہ یار کا — ہم تو بندے اسکے ہوں وہ یار ہو اغیار کا — آفتاب شاہ عالم بادشاہ

عبث ہے دِلِ زار شکوہ سرائی — کوئی بھی جہاں میں ہوا ہے کسی کا — شاکر میرٹھی

محبت بھی عجب شے ہے کہ اس بے درد کے آگے — نکلتے ہیں گلے شکوے مرے منھ سے دعا ہو کر — غریب سہارنپوری

میری تو ایک بات کا اِتنا گلہ ہوا — کچھ آپ کو بھی یاد ہے اپنا کہا ہوا — بیخود دہلوی

وہ ستم آپنے ڈھائے ہیں کہ جی جانتا ہے — ایسے ارمان مٹائے ہیں کہ جی جانتا ہے — ؍؍

بے محبت نہیں اے ذوق شکایت کے مزے — بے شکایت نہیں اے ذوقِ محبت کے مزے — ذوق

ہے تم سے محبت تو شکایت بھی ہے تم سے — غیروں سے نہ شکوہ نہ شکایت نہ گلہ ہے — ناز دہلوی

پہلو میں جگہ حضرتِ دل ہم تو نہ دیتے	واقف ہی نہ تھے آپ کے اطوار سے پہلے	نامعلوم
سکھائے دلبری کے ڈھنگ ہمیں نے	فریبِ دوستی ظالم ہمیں سے	″
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں رُسوا	تم قتل بھی کرتے ہو۔ تو چرچا نہیں ہوتا	″
پہلے جو تھی وہ چشمِ عنایت کہاں گئی	وہ دل کہاں گیا وہ طبیعت کہاں گئی	خلش
خلوت میں یوں جو چاہئے کہہ لیجئے مجھے	لوگوں میں میری آپکی لیکن ہنسی نہیں	انشا
میں نے جو کچھ بھی کیا بے جا کیا	آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا	شوق امروہوی
زباں کٹ جائے گر لب سے تمہارا کچھ گلہ نکلے	مگر اتنا کہیں گے تم کو کیا سمجھے تھے کیا نکلے	سالک
رونا یہ ہے کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یاں	طعنِ رقیبِ دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا	حالی
شکوے ہمارے سارے غلط ہی سہی مگر	لو تم ہی اب بتاؤ کہ کس کا قصور تھا	رشکی
شکوؤں کا کچھ جواب جب ان سے نہ بن پڑا	گردن میں میری ڈالدیئے مسکرا کے ہاتھ	صفدر والیٔ رامپور
سنایا لیکے دل ظالم نے کی یہ دل لگی اچھی	اسی کا نام الفت ہے تو اس سے دشمنی اچھی	خلیل
نہیں شکوہ مجھے کچھ بے وفائی کا تری ہرگز	گلہ تب ہو کہ تو نے جب کسی سے بھی نباہی ہو	میر درد
تقدیر میں لکھا تھا۔ سوائے جانِ جان ہوا	قسمت سے ہے گلہ ہمیں تم سے گلہ نہیں	رفاقت
پائے نازک پر جو سر رکھا تو کھائیں ٹھوکریں	یہ ہماری بندگی۔ وہ قدردانی آپ کی	نامعلوم
ان محنتوں کا دھیان ذرا تم کو کچھ نہیں	سمجھو تو سارے حق ہیں نہ سمجھو تو کچھ نہیں	″
چاہتے ہیں وہ کہ اظہارِ شکایت چھوڑ دوں	یعنی اُلفت چھوڑ دوں اس کی حکایت چھوڑ دوں	نیاز فتحپوری
کیا ہمیں شکوۂ بیداد و ستم کرتے ہیں	جو زمانے نے کیا ہے وہی ہم کرتے ہیں	داغ
بڑہائی آپنے الفت بٹھا بٹھا کے قریب	بلا کے بیچ میں ڈالا بلا بلا کے مجھے	نامعلوم
یہ عہد ہم سے لیا جب کیا ہے وعدۂ وصل	نہ آئے حرفِ شکایت رہے گلہ موقوف	″
اوروں کی تم نے خطاؤں پہ خطائیں بخشیں	اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا	″
شیشہ ہاتھ آیا۔ نہ ہم نے کوئی ساغر پایا	ساقیا اے تری محفل سے چلے بھر پایا	اسیر لکھنوی

شبِ ہجر

(دیکھئے ہجر حصہ سوم)

اکبر میرٹھی
آ جا خدا کے واسطے رشکِ قمر کسی طرح
ہوتی نہیں شبِ فراق اب تو بسر کسی طرح

اکبر الٰہ آبادی
آپ کی فرقت میں بیں کل رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات تھی، گاتا رہا۔ رویا نہیں

داغ
ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے
ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے

امیر مینائی
یوں شبِ ہجر میں کرتے ہیں غلط غم اپنا
مُردہ خود بنتے ہیں خود کرتے ہیں ماتم اپنا

ریحان لکھنوی
آپ کی جانے بلا کیونکر کٹی فرقت کی رات
دل تڑپ کر رہ گیا جب یاد آئی آپ کی

رضوان مرادآبادی
شب کو یاد آتا ہے جب وہ مہِ انور اپنا
چاندنی میں ہی بچھا لیتا ہوں بستر اپنا

شکیب بدایونی
نہ پوچھو ماجرا ہجراں کی شب کا سخت آفت ہے
مہِ تاباں بھی میرے سر پہ خورشیدِ قیامت ہے

مشتاق
لے لیکے کروٹیں ہی مری جان صبح کی
ڈھونڈا کیا تمہیں دلِ مضطر تمام رات

نظیر اکبرآبادی
کل شبِ وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں
آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

جوہر رامپوری
تجھ سے کیا صبح تلک ساتھ نبھے گا اے عمر
شبِ فرقت کی جو گھڑیوں کا گذرنا ہے یہی

بینظیر شاہ وارثی
شبِ غم سحر تک تڑپتے رہے
اذاں پر لگائے ہوئے کان ہم

نامعلوم
تارے گنتے رات کٹتی ہے نہیں آتی ہے نیند
دل کو تڑپاتا ہے ہجر۔ آنکھوں کو ترساتی ہے نیند

"
دم نکلتا ہے ہمارا نہ سحر ہوتی ہے
شبِ غم دیکھئے کس طرح بسر ہوتی ہے

ندرت میرٹھی
شبِ غم میری آنکھیں ہائے کس کیلئے ترسیں
نہ وہ آئے نہ موت آئی نہ چین آیا نہ خواب آیا

قیصر دہلوی
وہ پروانوں کا گرنا شمع پر وہ گر کے جل جانا
قیامت خیز ہنگامہ شبِ غم رات بھر دیکھا

قائم چاندپوری
پہلے ہی سوجھی تھی ہمیں اے شبِ فراق
یہ رات بے طرح ہے خدا ہی سحر کرے

بیخود دہلوی
صبر آتا ہے جدائی میں نہ خواب آتا ہے
رات آتی ہے الٰہی کہ عذاب آتا ہے

اکبر الٰہ آبادی
صدمے شبِ فرقت کے اٹھائے نہیں جاتے
اب موت کا طالب ہے طلبگار تمہارا

مومن
تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہونگے

شب فراق یہ فرمائیے بسر نہ ہوئی
جو رات آپ نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی — قولی مردہوی

بھروسہ کس کو تھا فرقت کی شب میں زندگانی کا
ملایا تجھ سے پھر ممنوں ہوا اپنی سخت جانی کا — شہیدی

گر گذرتے خون اپنا ہم تری فرقت میں رات
خیر یہ گذری نہ تھی شمشیر بستر کے تلے — "

کس مزے سے ہم نے کاٹی آج کی فرقت کی رات
پیار کرتے رہ گئے۔ اک چاند سی تصویر کو — ریاض

میری شب سیاہ کس آفت کی رات ہے
تارے مجھے ڈراتے ہیں آنکھیں نکال کے — ظفر سہارنپوری

نام سنتا ہوں جو میں گور کی اندھیاری کا
دل دھڑکتا ہے جدائی کی شب تار نہ ہو — آتش

دن بھی دراز رات بھی کیوں ہے فراق یار میں
کاہے سے فرق آ گیا۔ گردش روزگار میں — مومن

ہجر کی شب مینہ برستا دیکھ کر ہم رو دیئے
ایک نئی برسات تھی پیش نظر برسات میں — مفتون دہلوی

بڑی بیتابیوں سے شب کٹی بیمار فرقت کی
خدا دشمن سے دشمن کو نہ دے ایذا محبت کی — فتنہ

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا۔ اگر ایک بار ہوتا — غالب

شام ہجر

کون سی شب ہے جو رو رو کے نہیں کٹتی ہے
شام ہوتی ہے ادھر چھاتی اُدھر پھٹتی ہے — آتش

خیال شب غم سے گھبرا رہے ہیں
ہمیں دن کو تارے نظر آ رہے ہیں — ریاض خیرآبادی

بے یار سرِ شام سے ہے جان پہ نوبت
اللہ ابھی چار پہر رات پڑی ہے — نامعلوم

شام وصال

وعدے پہ شام کو۔ وہ ضرور آئیں گے مگر
مشکل یہ ہے کہ دل کا تقاضا ابھی سے ہے — اختر مینائی

اِک ہم کہ ہم کو صبح سے ہے شام کی خوشی
اِک وہ کہ ان کو شام کا دھڑکا سحر سے ہے — مضطر خیرآبادی

اے دل ذرا سا صبر اب آئی شب وصال
دن ڈھل گیا تو روز جدائی کا کٹ گیا — آزاد حیدرآبادی

تاکید شام ہی سے ہے ان کی شب وصال
بے موقع آج ہم سے کوئی گفتگو نہ ہو — نامعلوم

شب وصل

قیصر دہلوی — یہ سمجھ کر وصل میں وہ دیکھتے ہیں ہار کو
آنکھ غنچے کی کھلیگی جب سحر ہو جائے گی

نامعلوم — چاہنے والے سے اپنے وصل میں کیسی حیا
حسرتوں کا خون کرتے ہو بڑے جلاد ہو

داغ — نفرت ہے حرفِ وصل سے اچھا یوں ہی سہی
لو آؤ اور بات سنو وہ نہیں سہی

〃 — کیوں وصل کی شب ہاتھ لگانے نہیں دیتے
معشوق ہو یا کوئی امانت ہو کسی کی

〃 — پھر خدا جانے کہاں تم۔ ہم کہاں
عیش و عشرت کی یہی اک رات ہے

〃 — شبِ وصال ہے بُجھوا دو ان چراغوں کو
خوشی کی بزم میں کیا کام جلنے والوں کا

گستاخ رامپوری — شبِ وصل ہے۔ اے فلک رحم کرنا
ہوا ہے کوئی کامیاب اول اول

نسیم — ہے وصل کی شب تم کو افسوس حجاب اتنا
کس شرع میں جائز ہے خلوت میں حیا کرنا

امیر مینائی — شبِ وصل حل ہوں گے کیا کیا معمے
عیاں ہوں گے رازِ نہاں کیسے کیسے

جلال لکھنوی — اٹھے ہیں لطف وصل کا جب کہ تم اٹھا دو وصال کی شب
حیا کا پردہ مژہ کی چلمن حجاب بند نقاب عارض

مومن — شبِ وصل آپ کا عذرِ نزاکت
بجا ہے پر نہ مجھ سے نیم جاں سے

نامعلوم — ہے شبِ وصل کہے دیتا ہوں اے دیدۂ تر
آج موقوف ذرا گریہ و زاری رکھنا

〃 — وعدۂ وصل ہزاروں ہی کئے اور مکرے
ادھر آؤ میرے باتوں کے بنانے والے

راسخ دہلوی — شبِ وصل جانے کی ہے یہ دھائی
خود آدھی نبجے سے اذاں دے رہے ہیں

اکبر الہ آبادی — کھلیں وہ سرمگیں آنکھیں شبِ وصلت زباں ہو کر
محبت کی نظر نے دی اجازت مجھ کو ہاں ہو کر

امیر مینائی — شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی
کہ آتے ہی آتے سحر ہو گئی

نامعلوم — یاں سے واں، واں سے یہاں عالم ہوا وصل کی شب
ہم اٹھاتے ہی بچھاتے رہے بستر اپنا

اقبال — کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

آتش — پری شیشے میں اتری کہیے یا قالب میں روح آئی
عجب انداز سے آغوش میں وہ نازنیں آیا

صبحِ وصل سحرِ وصل

صبح جب بول اُٹھا مرغِ سحر لگڑوں کوں / اُٹھ گئے پاس سے وہ رہ گیا میں بڑروں ٹوں — نظیر اکبرآبادی

صبحِ شبِ وصال قیامت کی صبح تھی / کم صورتے وہ نالۂ مرغِ سحر نہ تھا — تجمل محمودآبادی

صبحِ شبِ وصال ہے کیوں نعرہ زن نہوں / پڑتی ہے مُوگری میرے دل پر گجر کے ساتھ — صبا لکھنوی

مارا مرے سر صبحِ شبِ وصل بگڑ کر / مُرجھائے ہوئے پھولوں کا جب ہار اُتارا — اسیر لکھنوی

اے داغ صبحِ حشر تھی۔ صبحِ شبِ وصال / جب یہ کہا کسی نے کہ جاتا ہوں گھر کو میں — داغ

دل کا کیا حال کہوں صبح کو جب اُس بت نے / لے کے انگڑائی کہا۔ ناز سے ہم جاتے ہیں — ״

منھ اندھیرے مجھ کو غافل دیکھ کر شوخی سے وہ / آپ اُٹھ کر چل دئے پہلو میں تکیہ دھر گئے — ״

شوخی سے وہ کہنا۔ سحرِ وصل کسی کی / کچھ درد کلیجہ میں تمہارے ہوا کم بھی — قیصر دہلوی

صدقے صبحِ وصل کے شکوہ مرا جاتا رہا / ان کا شکوہ رہ گیا میرا گلہ جاتا رہا — ریاض گورکھپوری

دی مؤذن نے شبِ وصل اذاں پچھلی رات / ہائے کم بخت کو کس وقت خدا یاد آیا — داغ

صبا

صبا بھی مر رہی کیا مشتاقِ صدا اسکے کوچہ میں / گئی تھی وعدہ کرکے بوئے زلفِ یار لانے کا — قیصر

دے کسے جاکے تری زلفِ پریشاں کا پیام / خاک اُڑاتی ہوئی پھرتی ہے صبا میرے بعد — نازولی خیرد سندھ

میرا احوال سُناتی اُسے جاکر بالے / اس کے کوچہ میں صبا تیرا گذر ہے کہ نہیں — نامعلوم

صندل

صندل کو مول لیکر کس کی بلا رگڑتی / ہیں درد سر کی خاطر یہ دردِ سر نہ کرتا — نامعلوم

دردِ سر کے واسطے صندل لگانا ہے مفید / اُس کا گھسنا اور لگانا۔ دردِ سر یہ بھی تو ہے — ״

صبر

عرضِ مطلب پہ وہ کہتے ہیں ابھی صبر کرو / ہائے کیا سہل سی تدبیر بتا دیتے ہیں — تپاں فتحپور سیکری

تم جبر کئے جاؤ، ہم صبر کئے جائیں / اللہ تو منصف ہے۔ اللہ جزا دیگا — آزاد انصاری

نہ پڑا اٹھانا اسے محبوبِ جفا کار سے کام / دعوۂ صبر میں ہم قائل ایوب نہیں — شہیدی

نہ حرفِ شکوہ بہتر ہے نہ اچھا اشک کا بہنا / ہمارے دن یہی ہیں رنج سہنا اور چپ رہنا — اکبر الٰہ آبادی

تم نہ بے پردہ سامنے آؤ / صبر مجھ سے ہوا، ہوا نہ ہوا — نامعلوم

ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا / نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پہ دھرا ہوتا — غالب

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام / ایک مرگِ ناگہانی اور ہے — ؍؍

آرام کچھ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا / زیرِ فلک نہیں ہے تو زیرِ زمیں سہی — داغ

کھنچے گی خاک ہو گا ٹھکانا جہاں کہیں / دو گز زمیں تو دیگا ہمیں آسماں کہیں — حبیب لکھنوی

نہ پھیرو اس سے منہ آتش جو کچھ درپیش آ جائے / دکھاتا ہے جو آنکھوں کو مقدر دیکھتے جاؤ — آتش

نہ ہوں وہ لب جو کھلیں شکوۂ جفا کیلئے / وہ ٹوٹیں ہاتھ جو اٹھیں کبھی دعا کیلئے — نامعلوم

لاکھوں حسین آئیں گے قسمت ہو راہ پر / کیا وہ پلٹ گئے تو نصیبہ پلٹ گیا — عیش بھوپالی

دل ہی تو ہے نہ آئے کیوں دم ہی تو ہے نہ جائے کیوں / ہم کو خدا جو صبر دے تجھسا حسین بنائے کیوں — داغ

اے فلک چھاتی پہ اب ہم نے بھی پتھر دھر لیا / روز کے رنج و الم ہر وقت کے غم دیکھ کر — مہر گوالیاری

پختہ طبعوں پر حوادث کا اثر ہوتا نہیں / کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں — نامعلوم

شکوہ اچھا ہے کسی سے نہ شکایت اچھی / صبر کی خو ہے بھلی شکر کی عادت اچھی — ؍؍

خانہ خراب نالہ و زاری سے باز آ / ہر دم کی ہائے ہائے میں کیا دل اثر نہیں — ؍؍

قطعہ

نہ نالہ ہے دل میں نہ آہِ حزیں ہے / کوئی دم ہے یاں سو دمِ واپسیں ہے — احسن

گئے وہ دن جو آنکھوں سے بہتے تھے دریا / ادھر دیکھ لو خشک آبِ آستیں ہے

ضبط۔ تحمل

کہاں تک دم بخود رہیے نہ ہوں کیجیے نہ ہاں کیجئے •	کہاں تک کھائیے غم کب تلک ضبطِ فغاں کیجیے	مومن
بس آبروئے ضبط سے میں ہاتھ دھو چکا	اے چشمِ نم برست ڈبوئے گی تو مجھے	رعب
ضبط کی طاقت نہ تھی گریۂ بوالہوس	نام کیوں بدنام الفت کا کیا	شوخ امروہوی
تحمل آتشِ غم میں دلِ بے تاب کیا جانے	ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے	درد ہند
اندھیر ہو گیا کہ کھُلا ضبط کا بھرم	آنسو نکل پڑے مرے بے اختیار رات	نازولی خیرپوری
روک لے اے ضبط جو آنسو کہ چشمِ تر میں ہے	کچھ نہیں بگڑا ابھی تک گھر کی دولت گھر میں ہے	احسن مارہروی
ضبط دیکھو ادھر نگاہ نہ کی	مر گئے مرتے مرتے آہ نہ کی	امیر مینائی
خاک ہوں گو جگر و دل مگر اے ضبطِ فغاں	دیکھنا آتشِ خس پوش سے اٹھے نہ دھواں	میر مجروح
صیاد ترے ڈر سے ہوں خاموش ورنہ یاں	میں اور دیوے چین گھڑی بھر فغاں مجھے	نامعلوم
دلا یہ مکتبِ الفت ہے دیکھ چپ رہنا	بڑا گناہ یہاں ہے الف سے بے کہنا	رر
رازِ الفت اب نہیں چھپتا چھپائے سے مرے	بس چلا جب تک مرا منھ ڈھانپ کر رو دیا کیا	جوہر فرخ آبادی
دل میں اس شوخ کے جو راہ نہ کی	ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی	مومن
دردِ الفت سے کسی کو ہوس آگاہ نہ کر	شرطِ الفت تو یہ ہے جان دے اور آہ نہ کر	ہوس فیض آبادی
کوئی میرے برابر کیا کریگا ضبطِ الفت کو	نہیں آتا زباں تک میری حرفِ آرزو برسوں	امیر مینائی
اُف نہ کی ہم نے کئے ظلم ہزاروں تم نے	یہ کلیجہ ہے بتاؤ تو مری جاں کس کا	دلگیر
ستم کے تم جو عادی ہو تو ہم بھی خو گرِ غم ہیں	جفائیں جتنی ہوں تھوڑی ہیں جتنے ظلم ہوں کم ہیں	ہمت ذکا جھنجانوی
ہنستے ہنستے ہی گذر جائیں گے دن رات فلک	جورِ اغیار سے تنگ آ کے نہ نالاں ہونگے	نامعلوم
اندازِ جنوں کون سا ہم میں نہیں مجنوں	پر تیری طرح عشق کو رسوا نہیں کرتے	درد دہلوی
کرتا غضب اب تک تو ہمارا دلِ بے تاب	رو کے ہوئے ڈانٹے ہوئے دھمکائے ہوئے ہیں	مہر لکھنوی

صلح . ملاپ

گستاخ رامپوری
ہائے کس لطف سے آپس میں گلے ہوتے ہیں
صلح ہو جاتی ہے جب یار سے جھگڑا ہو کر

نثار دہلوی
کہتا ہے مبارک کوئی کہتا ہے سلامت
ہے روٹھ کے ملنا بھی ملاقات مزے کی

نافل
اب بھی باز آئے اگر غیر کے ملنے سے وہ شوخ
وہی باتیں وہی چرچے وہی یارانے ہیں

نامعلوم
خیال اس کا ہے دیکھو گلے جلدی سے مل جانا
اگر آپس میں ہو جائے کبھی تکرار تھوڑی سی

سودا
ہے روٹھنے میں روز مزا یار سے لڑ کر
ملتے ہیں تو پھر چھاتی سے چھاتی کو رگڑ کر

نامعلوم
ہم بھی مثالِ آئینہ ہیں تجھ سے سینہ صاف
دل سے ترے غبار اگر دور ہو گیا

امیر مینائی
جب تلک تم تھے کشیدہ دل تھا شکووں سے بھرا
تم گلے سے مل گئے سارا گلہ جاتا رہا

اکبر الہ آبادی
خدا ان سے ملائے تو نہایت ہی خوش آئیگا
نیا عہد وفا بند صفا گذشتہ کا گلہ ہونا

نامعلوم
بعد رنجش کے گلے ملتے ہوئے رکتا ہے دل
اب مناسب ہے یہی کچھ میں بڑھوں کچھ تم بڑھو

گہر لکھنوی
جانتے ہیں ہم محبت آزمائی ہو چکی
آؤ لگ جاؤ گلے بس اب لڑائی ہو چکی

غالب — قطعہ
گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے
بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

نامعلوم
صلح کی ٹھہرائیے اب تو لڑائی ہو چکی
ہو چکی صاحب محبت آزمائی ہو چکی

اکبر میرٹھی
وہ برسوں سے خفا تھے مدتوں سے روٹھے بیٹھے تھے
خدا کا شکر ہے اب تو رسائی ہوتی جاتی ہے

نامعلوم
روٹھ کر اکثر ملے ہیں یار سے
ہو چکے ہیں ایسے جھگڑے بارہا

داغ
جھکی ذرا چشم جنگجو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزا اس ملاپ کا ہے کہ صلح ہو جائے جنگ ہو کر

اکبر الہ آبادی
جب لطف و کرم سے پیش آئے محبوب
اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
جب مثلِ نسیم وہ گلے سے مل جائے
مانند کلی کے پھول جانا اچھا

ریحان
قسم نہیں عمر بھر کی کھائی کہ ہو نہ آپس میں پھر صفائی
نگاہ ترچھی رہے گی کب تک لڑائی کب تک عتاب کب تک

ضد۔ ہٹ

ضد ہے انہیں پورا مرا ارمان نہ کرینگے
منہ سے جو نہیں نکلی ہے اب ہاں نہ کریں گے
اکبر الہ آبادی

غضب ہے وہ ضدی بڑے ہو گئے
میں لیٹا تو اٹھ کے کھڑے ہو گئے
״

سمجھ ہو پر ان کو جانب اغیار دیکھنا
اک بار منع کیجئے تو سو بار دیکھنا
سالک

اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں
کہنا نہیں مانتے کسی کا
داغ

نہ سمجھا عمر گذری اس بت خود سر کو سمجھاتے
پگھل کر موم ہو جاتا۔ اگر پتھر کو سمجھاتے
״

اتنی بھی کسی بات پہ یوں ہٹ نہیں کرتے
اتنا بھی بس انکار مری جاں نہیں ہوتا
بیخود دہلوی

جانے کی جو ضد ہے تو مجھے زہر دیئے جا
اتنا تو کہا مان لے اتنا تو کئے جا
رسا

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں
بھولے سے اس نے سینکڑوں وعدے وفا کئے
غالب

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیمتن کے پاؤں
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں
״

یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے
قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہئے
״

وعدے پہ مرے انکے قیامت کی ہے تکرار
اور بات ہے اتنی کہ ادھر کل ہے ادھر آج
داغ

ضد مجھ سے یوں ہزار تو اے نازنیں کرے
پر ٹھہرے جو آج کی شب بھی نہیں کرے
تنہا

ضد تو جب ہے کہ ابھی میری بغل میں آ جاؤ
کہہ رہا ہوں کہ میرے پاس نہ آئے کوئی
حیرت پانی پتی

مفت اٹھنے کے نہیں یار کے کوچے سے فقیر
جب کہ بستر کو جما کھول کمر بیٹھ گئے
فقیر دہلوی

مکراتے ہیں سچ بات کو وہ ضد سے مگر ہم
چپ رہتے ہیں سن کر انہیں جھوٹا نہیں کرتے
نامعلوم

خدا کو مانو نہ آؤ روز کی یہ ضد نہیں اچھی
کسی دن تو ہمارے دل کی بھی حسرت صنم نکلے
حسام لکھنوی

وہ اپنی ضد پہ قائم ہیں ہم اپنے شوق پر قائم
مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ منظور خدا کیا ہے
ساغر میو...

ایسی ضد کا کیا ٹھکانہ اپنا مذہب چھوڑ کر
میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا
مومن

غرض وہ غرض کہ جس غرض میں اصرار نہ ہو
بات وہ بات کہ جس بات میں انکار نہ ہو
نامعلوم

ضعف، ناتوانی، لاغری

نامعلوم
گر پڑوں گر خاک پر تو خاک کا اک ڈھیر ہوں
جا لگوں دیوار سے تو نقش ہوں دیوار کا

محشر لکھنوی
ضعف کے ہاتھوں زمیں کے ہو رہے
جس جگہ بیٹھے وہیں کے ہو رہے

شفق رضوی
وہ ہیں ناتواں جس جگہ گر پڑے ہم
کہا ضعف نے۔ تیری منزل یہی ہے

داغ
ضعف سے اُٹھتے نہیں دستِ دُعا
اب ہماری شرم اس کے ہاتھ ہے

اُٹھے دستِ دعا کیا ضعف نے ایسا گھلایا ہے
جسے میں ہاتھ سمجھا تھا وہ خالی آستیں نکلی

امیر مینائی
تڑپا میں بہت تو ضعف بولا
اللہ اب تک یہ حوصلے ہیں

اسیر لکھنوی
ضعف سے پیوند میں ہر جا زمیں کا ہو گیا
مثلِ نقشِ پا۔ جہاں بیٹھا وہیں کا ہو گیا

آتش
حال ہے مجھ ناتواں کی رقصِ بسمل کی تڑپ
ہر قدم پر ہے یقیں یاں رہ گیا واں رہ گیا

یاس
ناتوانی کا بُرا ہو غش پہ غش آنے لگے
دو گھڑی دل کھول کر رونا بھی مشکل ہو گیا

سید دہلوی
ناتوانوں میں کہاں دم ہے کہ منہ سے بولیں
یہ بہت جانو کہ دن دے یہ جئے جاتے ہیں

رند
نالے شرر فشاں رہے تابِ تواں تلک
اور اب تو آہ بھی نہیں آتی زباں تلک

مومن
اب تو مر جانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اُٹھا جائے ہے

شہیدی
شہیدی حشر کے دن بھی ہمارا ہو چکا اُٹھنا
یہی عالم رہا بعدِ فنا گر ناتوانی کا

اجل کی آنکھ پڑتی ہے لحد حسرت سے تکتی ہے
کہاں سے آ گیا جوبن ہماری ناتوانی پر

قیصر دہلوی
کسی کافر کے مجھ سے ناز بھی اُٹھ نہیں سکتے
قیامت کی نقاہت ہے بلا کی ناتوانی ہے

طرفداری

چنناں لکھنوی
یہ قولِ قیس تھا گر ہو گا حسن و عشق میں جھگڑا
اسی جانب کو میں ہوں گا مری لیلیٰ جدھر ہو گی

عارف دہلوی
ہم تو دیوانے ہیں مجنوں کی کہے جائیں گے
ہیں حسیں آپ طرفداریٔ لیلیٰ کیجئے

طعن و تشنیع

شب فراق یہ فرمائیے بسر نہ ہوئی — جو رات آپ نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی — قوی امروہوی
تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی — ہاں مگر چین سے بسر نہ ہوئی — نامعلوم
ہم نہ کہتے تھے ہوئی ہے نہ ہو دشمن سے وفا — آزما کر اسے اے رشکِ قمر دیکھ لیا — قیصر دہلوی
آگئے نہ چال میں اغیار کی — ہم تو روتے تھے اسی دن کے لئے — حیران
افسوس ہے رقیب نے کی آپ سے دغا — مجھ کو بھی رنج آپ کے سر کی قسم ہوا — داغ
چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد — آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے — غالب
نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب — تیرے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو — "
نہ قہقہے نہ تبسم نہ یہ ہنسی ہوئی — دل آپ کا کہیں آیا تو دل لگی ہوگی — رعنا لکھنوی
تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام — تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنے — داغ
آپ کا حال جو غیروں نے کہا ہے مجھ سے — ہیں میرے کان گنہ گار کہوں یا نہ کہوں — "
کیوں قسم کھاتے ہو جھوٹی غیر سے ملنے کی تم — پھر دکھا دیں گے تمہیں سو بار ہنستے بولتے — بشیر دہلوی
روز کہتے تھے کبھی غیر کے گھر دیکھ لیا — آج تو آنکھوں سے اے رشکِ قمر دیکھ لیا — جوہر فرخ آ
چھپ کے راتوں کو کہیں آپ نہ آئے ہوں گے — بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا — ریاض
پہلو میں جگہ حضرتِ دل ہم تو نہ دیتے — واقف ہی نہ تھے آپ کے اطوار سے پہلے — نامعلوم
بناتا دشمن جاں کیوں تمہیں گر یہ خبر ہوتی — مرے وعدے وفا ہوں گے رقیبوں سے جواں ہو کر — ناز دہلی خیر
ہو گئے ہیں چاہنے والے تمہارے سینکڑوں — ہم غریبوں کو نظر میں آپ کب لانے لگے — امیر مینائی
وہ جانتے ہیں غیر مرے گھر میں ہے مہمان — آئیں گے تو مجھ پر کوئی احسان نہ کریں گے — اکبر الہ آباد
عشق میں جوگی بنا اور لوگ یوں کہنے لگے — روپ تو اچھا نکالا مانگ کھانے کیلئے — نامعلوم
مبارک اغیار سے تعلق نئی ہے چاہت نیا تعشق — بھلا ہے ہم ہو گئے تصدق تمہیں اب اس کا ملال کیا ہے — جلال

طمع۔ حرص۔ ہوس

اکبر الہ آبادی — نہایت خوشنما پتھر پڑے ہیں عقل پر اُن کی / جنھیں تسکین بے لال و زمرد ہو نہیں سکتی

یوسف — دیکھو تو ہوس کو کیا شکل بنائی ہے / قسمت میں لنگوٹی ہے اکسیر سے کیا حاصل

ذوق — منھ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے / گر حریصوں کو خدا ساری خدائی دیتا

" — سب کو دنیا کی ہوس خوار لئے پھرتی ہے / کون پھرتا ہے یہ مردار لئے پھرتی ہے

" — نکلے دنیا سے کہاں احمق اٹھا کر بارِ حرص / رہ گیا یہ تو گدھا۔ دلدل میں پھنس کے بوجھ سے

اکبر الہ آبادی — رباعی

تھے کباب کی فکر میں سو روٹی بھی گئی / چاہی تھی شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر / پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

" — سیٹھ جی کو فکر تھی اک اک کی دس دس کیجئے / موت آ پہنچی کہ حضرت جان واپس کیجئے

" — جو مال ہو یہ ہے نظر تو خون ہے اور تیرا جگر / مرض ہے جس کو حرص کا کبھی اُسے شفا نہیں

امیر مینائی — تابعِ دین بھی دولت پہ نہ شیدا ہوگا / پیرو شیرِ خدا کیا سگِ دنیا ہوگا

" — سب آفتوں سے چھوٹ گیا کرکے ترکِ حرص / کیونکہ نہ ہو مجھے دلِ بے آرزو پسند

" — آبرو کھوتی ہے پھر بھی رکھتی ہے ناکام حرص / دشمنِ عزت ہے جس کا ہے جہاں میں نام حرص

" — دوڑے تلاشِ دولتِ دنیا میں جو حریص / آخر کو تھک کے گورِ غریباں میں رہ گئے

" — مجھ گدا کو دے نہ تکلیف حکومت اے ہوس / چار دن کی زندگی میں بادشاہی کیا کروں

داغ — طمع زر ہی سے انسان کی مٹی ہے خراب / خاک میں ہم تو ملا دیں اگر اکسیر بھی ہو

نامعلوم — جاہ و حشم کی خواہش، دولت کی آرزو ہے / دو دن کی زندگانی تس پر یہ جستجو ہے

جوش عظیم آبادی — دولت جدھر ہے اہلِ ہوس کے ہیں منہ اُدھر / دنیا پرست دیکھنے والے ہوا کے ہیں

نامعلوم — دولت ہے ریاست ہے حکومت ہے حشم ہے / حیرت ہے الٰہی انہیں کس بات کا غم ہے

حسرت موہانی — ہوا جاتا ہے نورِ عشق پر دودِ ہوس غالب / الٰہی اصلِ حق سے لوثِ باطل کو جدا کر کے

باغ سے جانے کہاں دیتا ہے پر حرص الا سے / پھانس کر دو چار بلبل پھنس گیا صیاد بھی — جلیل

حرص و ہوا کو سینے میں غافل جگہ نہ دے / مطلب کو فوت کرتا ہے کیڑا کتاب کا — آتش

طالب کو اپنے رکھتی ہے دنیا ذلیل و خوار / زر کی طمع سے چھانتے ہیں خاک نیاریے

ملتا ہے روز اس پہ بھی کہتا ہے آدمی / کل کا بھی رزق دے مجھے پروردگار آج — حزین لکھنوی

چل سوئے گور غریباں اے حریص مال و زر / دیکھ کتنی آرزوئیں نذر مدفن ہو گئیں — اوج ابن دبیر

دانا ہے وہ جو سمجھے کہ قسمت ہے کیمیا / احمق ہے وہ جو خواہش اکسیر میں پھنسے — نامعلوم

خاک چھانی جستجوئے کیمیا میں مدتوں / بعد مردن قبر میں نسخہ ملا اکسیر کا — رر

طویلے کی بلا بندر کے سر

لیا ہے غیر نے بوسہ اُسی کو گالی دو / خفا ہو مجھ سے نہ لیتے ہیں نہ دیتے ہیں — امیر مینائی

آزردہ غیر سے ہوئے دیں مجھ کو گالیاں / کس سے بھرے ہوئے وہ کس پر برس پڑے — رر

لڑے غیر سے غصہ ہے مجھ پر / کوئی پوچھے تو میں نے کیا خطا کی — داغ

کیوں فکر اس قدر ہے رقیبوں کے باب میں / ان کے گنہ بھی ڈال دو میرے حساب میں — رر

کیا تماشہ ہے کہ جب غیر سے ہوتے ہیں خفا / گالیاں دیتے ہیں وہ نام ہمارا لیکر — رر

میں ہر طرح سے موردِ الزام ہو گیا / تقصیر کی کسی نے مرا نام ہو گیا — نامعلوم

بگڑے کوئی اوروں سے بنے جان پر اپنی / عاشق ہی کے سر آتی ہے آفت ہو کسی کی — جلال لکھنوی

سلوک غیر سے اتنا ضرور میں نے کیا / کہ اس پہ تھوپ دیا جو قصور میں نے کیا — بیخود دہلوی

خوب آتا ہے صاحب کو خود اک بات کا کرنا / اور بات پڑے جب تو مرا نام لگانا — اکبر الہ آبادی

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر / فعل بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر — انشا

میں کود کے دیوار گیا یار کے گھر اور / بیچارہ گیا مفت میں دربان نکالا — کمال رامپوری

نہ جھاڑا غیر کو ہرگز کہ ہو کر جھاڑ لپٹا تھا / مجھی پر گالیوں کا جھاڑ تو نے بدزباں باندھا — نامعلوم

طلبِ صادق

امیر مینائی — گھر گھر تجلّیاں ہیں طلبگار بھی تو ہو / موسیٰ سا کوئی طالبِ دیدار بھی تو ہو

〃 — دل دردناک چاہیئے لاکھوں ہیں خوبرد / عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

〃 — تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر / سرفروشی کی تمنّا ہے تو سر پیدا کر

اکبر الٰہ آبادی — ہو طلبِ کامل تو بس نعمت اسی کا نام ہے / بھوک نے نانِ جویں کو منّ و سلویٰ کر دیا

〃 — سرور و نور وجد و حال ہو جائیگا سب پیدا / مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا

〃 — نہ رکھے گا خدا بیگانہ تجھ کو نورِ باطن سے / مگر لازم ہے پیدا کر دل حق آشنا پہلے

حمید — رباعی

واعظ کا مقولہ ہے کہ عقبیٰ مل جائے / منعم کی تمنّا ہے کہ دنیا مل جائے
دنیا عقبیٰ یہ دونوں چھوڑے ہمنے / ہم تو یہی کہتے ہیں کہ مولیٰ مل جائے

داغ — کس طرح کہوں قیس ترے دل کو لگی ہے / نالوں سے کبھی آگ بھی محمل کو لگی ہے

نامعلوم — بڑھ گئی اس کی حقیقت جو ہوا واصل بحق / جُزو سے کُل ہو گیا قطرے سے دریا ہو گیا

نازولی خیرکو — ذوقِ سجدہ ہے کسی دَر پہ تو سر پیدا کر / شوقِ دیدار ہے دل میں تو نظر پیدا کر

سندھ ضامن — جُز خدا کے عشق کے حاصل نہیں کچھ زاہدا / کعبہ و معبد میں کر کے جبہ سائی دیکھ لی

جوہر امپوری — ہو حسنِ طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا / ہو صدقِ طلب پھر اثرِ آہِ رسا دیکھ

حسرت موہانی — ہوا جاتا ہے نورِ عشق ہر دودِ ہوس غالب / الٰہی اصلِ حق سے لوثِ باطل کو جدا کر دے

شہیدی — ترے کرم میں نہیں کچھ کمی کریم ہے تو / میرا قصور ہے جھوٹا امیدوار ہوں میں

امیر مینائی — بے ذوقِ عشق دیدہ و دل دونوں ہیچ ہیں / خالی قدح پسند نہ خالی سبو پسند

صولت — کھا کے غوطہ پھر نہ ابھرا میں غریقِ بحرِ عشق / ہاتھ دریا سے بڑھا کر موج دریا رہ گئی

اکبر الٰہ آبادی — وفا میں ثابت قدم نکلنا فدائے عشقِ حبیب ہونا / یہ کامیابی ہے عاشقی کی یہی تو ہے خوش نصیب ہونا

امیر مینائی — خضرِ رہِ مقصود۔ اگر دل نہیں ہوتا / منزل کا پتہ سینکڑوں منزل نہیں ہوتا

عشق پر زور نہیں ہے

عشق پر زور نہیں۔ ہے یہ وہ آتش غالبؔ	کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے	غالب
چھوٹ سکتی ہے چھڑائے سے کہیں	ہو گئی جس سے محبت ہو گئی	امیر فتحگڈھی
محبت اور حسینوں کی محبت حضرتِ ناصح	کہیں کہنے سے جاتی ہے کہیں کہنے سے ہوتی ہے	بیدم اکبرآبادی
بشر مجبور ہے جب دل لگا ہو	ولی ہو۔ متقی ہو۔ پارسا ہو	״
بتوں سے بچ کے چلتا ہوں پر آفت آہی جاتی ہے	یہ کافر وہ قیامت ہیں طبیعت آہی جاتی ہے	ظہیر دہلوی
کسی کو دیا دل ہمارا ہی دل تھا۔	اِجارہ محبت میں کیا ہے کسی کا	شاکر میرٹھی
دل کو دیتے ہیں دعا روتے ہیں گردن ڈالے	جس مصیبت میں ہمیں چاہے یہ دشمن ڈالے	جلال لکھنوی
اگر کچھ بس چلے اپنا تو کاہے کو یہ خواری ہو	نہ چاہیں اُس کو اے ناصح جو اُلفت اختیاری ہو	زار ״
عشق سر چڑھ کے اُترتا ہی نہیں	سب عمل پڑھ دیکھے اس جن کیلئے	قوی امروہوی
محبت اور مجنوں ہم تو سودا اس کو کہتے ہیں	فدا لیلیٰ پہ تھا آنکھوں کا اندھا اس کو کہتے ہیں	بیخود دہلوی
ناداں نہیں جو اپنے کو رسوا کرے کوئی	دل ہی نہ بس میں ہو تو پھر کیا کرے کوئی	مسرور ״
ہوش ہی جاتے رہیں تو آدمی کیا کر سکے	دیکھ لوں جب اچھی صورت میں کہو تو کیا کروں	داغ ״
کعبے بھی ہم گئے نہ گیا ان بتوں کا عشق	اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں	حسرت عظیم آبادی
بشر کا حُسن کیا شے ہے طبیعت آہی جاتی ہے	دعاؤں سے نہیں رُکتی یہ آفت آہی جاتی ہے	شمس لکھنوی
ناصح تری زباں ترے بس میں نہ ہو تو پھر	انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے	شیفتہ دہلوی
ہم رنج والم سہتے ہیں کیا اپنی خوشی سے	دنیا میں غرض اٹکے۔ کسی کی نہ کسی سے	حسن بریلوی
کیا کیجے اختیار نہیں دل کی چاہ میں	ہیں سب دگرنہ یہ تری باتیں نگاہ میں	اثر برادر میر درد

نیک و بد سوجھے ہے کب جب دل کہیں پھنس جائے ہے
میں اُسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے — ذوق

نامعلوم	یہ عشق وہ ہے ...
غریب سہارنپوری	بتوں ...
حالی	عشق سنتے تھے ...
اکبر الہ آبادی	تعلق عاشق و ...
یقین	اگرچہ عشق میں ...
نامعلوم	عشق بازوں ...
رضی	بے عشق آدمی ...
نامعلوم	لطف کیا زیر ...
؍؍	حسن سے عشق ...
ذکی مراد آبادی	لگا ہے غمِ فراق ...
آتش	بازیٔ عشق جز ...
جدید	عشق کی ...
شیفتہ دہلوی	شاید اسی کا نام ...
رحیم	چشمِ تر ہ خاک ...
رونق	دردو غم رنج والم حسرت و یاس و حرماں — اور الفت میں دھرا کیا ہے مصیبت کے سوا
حیران شکوہ آبادی	چین دن کو نہ شب کو راحت ہے — عاشقی کیا ہے اِک مصیبت ہے
بیخود دہلوی	اِس عشق و عاشقی کے مزے ہم سے پوچھئے — دولت مٹائی۔ رنج سہے۔ کھودیا شباب
مومن	اثرِ غم ذرا بتا دینا — وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق
	قہر ہے۔ موت ہے۔ قضا ہے عشق — سچ تو یوں ہے بُری بلا ہے عشق